گلگت میں خودکشی کے بڑھتے ہوئے رجحانات اور اس کا تدارک

اسلامی تعلیمات کی روشنی میں

Submitted By

PARVEEN FATIMA

01-259231-013

Supervised by

Dr RAHIM ULLAH

Assistant Professor BUIC

Department of Islamic Studies

School of Humanities and Social Sciences

BAHRIA UNIVERSITY ISLAMABAD E-8 CAMPUS

2023-2025

گلگت میں خودکشی کے بڑھتے ہوئے رجحانات اور اس کا تدارک
اسلامی تعلیمات کی روشنی میں

Submitted By
PARVEEN FATIMA
01-259231-013

Supervised by
Dr RAHIM ULLAH
Assistant Professor BUIC

A Thesis Submitted in the Fulfilment of the Requirement for the Award of the Degree of Master of Science (Islam and Life)

Department of Islamic Studies
School of Humanities and Social Sciences
BAHRIA UNIVERSITY ISLAMABAD E-8 CAMPUS

Bahria University
Discovering Knowledge

SUPERVISOR'S STATEMENT

This is certified that the work contained in this thesis, entitled _has been carried "گلگت میں خودکشی کے بڑھتے ہوئے رجحانات اور اس کا تدارک اسلامی تعلیمات کی روشنی میں" out under my supervision by PARVEEN FATIMAand is approved for submission in partial fulfilment of the requirement for the degree of MS Islamic Studies.

____

Dr. Rahim Ullah
Assitant Professor
Bahria University Islamabad.

Bahria University
Discovering Knowledge
MS-13

THESIS COMPLETION CERTIFICATE

Student's Name: PARVEEN FATIMA
Enrollment No. 01-259231-013
Program of Study: MS Islamic Studies
Thesis Title: ""گلگت میں خودکشی کے بڑھتے ہوئے رجحانات اور اس کا تدارک اسلامی تعلیمات کی روشنی میں

It is to certify that the above student's thesis has been completed to my satisfaction and that, to my belief, its standard is appropriate for submission for evaluation. I have also conducted a plagiarism test on this thesis using the HEC-prescribed software and found a similarity index of 6%, which is within the permissible limit set by the HEC for the MS/MPhil degree thesis. I have also found the thesis in a format recognised by the BU for the MS/MPhil thesis.

Principal Supervisor's Signature

____
Dr. Rahim Ullah
Date:

Bahria University
Discovering Knowledge
MS-14A

AUTHOR’S DECLARATION

I, <u>PARVEEN FATIMA</u>, hereby state that my MS thesis titled, <u>"گلگت میں خودکشی کے بڑھتے ہوئے رجحانات اور اس کا تدارک اسلامی تعلیمات کی روشنی میں)"</u> is my own work and has not been submitted previously by me for taking any degree from this University (Bahria University) or anywhere else in the country or world. At any time, if my statement is found to be incorrect, even after my graduation, the university has the right to withdraw or cancel my MS degree.

Scholar’s Signature

____

Name: PARVEN FATIMA
Date

Bahria University
Discovering Knowledge
MS-14B

PLAGIARISM UNDERTAKING

I, PARVEEN FATIMA, solemnly declare that the research work presented in the thesis titled "گلگت میں خودکشی کے بڑھتے ہوئے رجحانات اوراس کاتدارک اسلامی تعلیمات کی روشنی میں" is solely my research work with no significant contribution from any other person. Any small contribution or help, wherever taken, has been duly acknowledged, and the complete thesis has been written by me. I understand the zero-tolerance policy of the HEC and Bahria University towards plagiarism. Therefore, as the author of the above-titled thesis, I declare that no portion of my thesis has been plagiarised and that any material used as a reference is properly referred to and cited.

I undertake that if I am found guilty of any formal plagiarism in the above-titled thesis, even after the award of my MS degree, the university reserves the right to withdraw or revoke my MS degree. HEC and the university have the right to publish my name on the HEC/University website, where the names of students who submitted plagiarised theses are placed.

Scholar's Signature

____

Name: PARVEEN FATIMA
Date:

ACKNOWLEDGMENT

In the name of Allah, the most gracious, the most merciful, and peace upon the Holy Prophet Muḥammad ﷺ, I am grateful to Almighty Allah, whose guidance enabled me to accomplish this work. I am deeply thankful to my supervisor, Dr. Rahim Ullah, for his guidance and valuable insights throughout this research project. I acknowledge that his support made this dissertation much more manageable for me. May Allah reward him for this noble act and bless him with a long, healthy life .I am grateful to my parents, teachers, and fellows, who have supported me throughout my educational journey. I also sincerely thank all my friends who assisted and guided me in completing this dissertation and the staff at Bahria University Islamabad, who provided support and guidance when needed.

DEDICATION

I dedicate this work to the beloved Prophet Muḥammad ﷺ. His wisdom enlightens the hearts to contribute positively to the world. May this work serve as a small tribute to his legacy, contribute to a deeper understanding of his noble mission, and remind us of his profound impact on our lives.

مقدمہ

دنیا بھر میں خودکشی ایک نہایت حساس اور پیچیدہ سماجی، نفسیاتی، مذہبی، اور معاشی مسئلہ بن چکی ہے۔ عالمی ادارہ صحت (WHO) کے مطابق ہر سال تقریباً 8 لاکھ افراد خودکشی کے نتیجے میں اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں، اور یہ اموات مختلف معاشرتی و ثقافتی عوامل کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ ترقی پذیر ممالک بالخصوص جنوبی ایشیا میں خودکشی کے رجحانات میں خطرناک حد تک اضافہ نوٹ کیا جا رہا ہے، اور پاکستان کے شمالی علاقے خصوصاً گلگت بلتستان بھی اس سے متاثر ہو رہا ہے۔ گلگت بلتستان میں خودکشی کے بڑھتے ہوئے واقعات نے ایک سنجیدہ سماجی مسئلے کی شکل اختیار کر لی ہے۔ نوجوان نسل، بالخصوص طلبہ اور طالبات، خودکشی جیسے سنگین قدم کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ اس کی وجوہات میں نفسیاتی دباؤ، خاندانی تنازعات، سماجی تنہائی، تعلیمی دباؤ، مالی مسائل، اور روحانی خلا جیسے اسباب شامل ہیں۔ اس رجحان نے نہ صرف انفرادی سطح پر زندگیوں کو متاثر کیا ہے بلکہ پورے معاشرتی نظام کو بھی ہلا کر رکھ دیا ہے۔ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جو زندگی کی حرمت کو فوقیت دیتا ہے۔ اسلامی تعلیمات میں خودکشی کو قطعی حرام قرار دیا گیا ہے، اور اس عمل کو نہ صرف ایک سنگین گناہ بلکہ اخروی سزا کا باعث بھی بتایا گیا ہے۔ قرآن و سنت کی تعلیمات میں صبر، استقامت، اللہ کی رحمت پر اعتماد، اور مشکلات میں دعا و عبادت سے رجوع کی تلقین کی گئی ہے۔ اس تحقیق کا مقصد گلگت میں خودکشی کے اسباب و عوامل کا اسلامی اور سماجی تناظر میں جائزہ لینا ہے تاکہ ان وجوہات کو سمجھا جا سکے جن کی بنیاد پر یہ رجحان فروغ پا رہا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں خودکشی کے انسداد کے لیے مؤثر اور عملی حکمتِ عملی تجویز کرنا بھی اس تحقیق کا بنیادی ہدف ہے۔ یہ تحقیق صرف ایک تعلیمی مشق نہیں بلکہ ایک سماجی ضرورت بھی ہے۔ یہ معاشرے کے ان افراد کے لیے رہنمائی فراہم کرے گی جو خودکشی جیسے اقدام کی طرف مائل ہوتے ہیں، اور ان اداروں کے لیے بھی معاون ثابت ہو سکتی ہے جو اس مسئلے کے حل کے لیے پالیسی سازی یا فلاحی اقدامات پر کام کر رہے ہیں۔

فہرست

سابقہ کام کا تحقیقی جائزہ(literature review)..15

بیان مسئلہ(Statement of the problem):..17

مقاصد تحقیق(Objectives of the study):..17

سوالات تحقیق(Research questions):..17

تحقیقی دائرکار:..17

تحقیقی حکمت عملی اور نقطہ نظر:..17

تصوراتی خاکہ:..18

تحقیقی اخلاقیات(Research Ethics):..19

ابواب وفصول:..20

باب اول: تعارف خودکشی اور اسلامی تعلیمات..21

فصل اول: تعارف تحقیق..21

گلگت کا جغرافیائی پس منظر:..21

فصل دوم: خودکشی اور اس کی اقسام..28

خودکشی مختلف مذاہب میں:..30

مذہب اسلام:..30

یہودیت:..31

خودکشی کی اقسام:..31

مختلف فلاسفر کی روشنی میں:..33

ایمائل ڈرخائم:..33

ڈارپیٹDORPEاور بوسیلBOSWELLکی نظر میں خودکشی:..37

فصل سوم: خودکشی کے بارے میں اسلامی تعلیمات..40

خودکشی کے بارے میں قرآنی تعلیمات:..40

خودکشی کے بارے میں نبوی تعلیمات: 43
باب دوم: گلگت میں خودکشی کے اسباب وعوامل اور خودکشی کی شرح 49
فصل اول: خودکشی کے نفسیاتی، معاشی اور سماجی اسباب 49
1-گلگت میں خودکشی کے نفسیاتی اسباب: 49
1.موڈ کی خرابی: (Mood disorder).. 49
2.ڈپریشن 50
3.احساس محرومی: 50
4.-مایوسی: 50
2-گلگت میں خودکشی کے معاشی اسباب: 52
2۔بے روزگاری:.. 53
گلگت میں خودکشی کے سماجی اسباب: 54
فصل دوم: اسلامی معاشرے میں خودکشی کے عوامل 58
گلگت میں خودکشی کے عوامل:.. 58
ایمانی کمزوری اور روحانی خلا: 59
توکل صبر قناعت اللہ پر بھروسے میں کمی: 59
دینی عقائد میں کمزوری:.. 60
دینی تعلیم کی کمی اور مدرسہ ومسجد کا عملی کردار ختم ہونا:.. 61
قرآن حدیث اور اخلاقی تعلیمات سے ناواقفیت:.. 62
نظامِ تربیت میں فقدان: 63
والدین اور بڑوں کی غفلت:.. 64
تربیتی ادارے صرف نصابی مراکز بن گئے: 65
مذہبی اقدار کی پامالی:.. 66
مغربی طرزِ زندگی کا اثر: 67

فردیت اور مادہ پرستی کا فروغ:..68
سوشل میڈیا دکھاوا خود موازنہ:..69
علماء کی عوامی رہنمائی میں کمی:..70
سماجی مسائل پر دینی پلیٹ فارمز کی خاموشی:..71
تعلیمی نظام میں مذہب کا کم اثر:..72
قانون سازی اور معاشرتی پالیسیوں میں دین کا کمزور عمل دخل:..73
عوام تک شرعی احکام نہ پہنچنا:..74
سزاؤں اور آخرت کے خوف کی غیر موجودگی:..75
فصل سوم: گلگت میں خودکشی کی شرح اور انٹرویوز..77
گلگت میں واقع ہونے والی خودکشی کی شدّت:..77
انٹرویوز..83
باب سوم: گلگت میں خودکشی کی روک تھام کے لیے اقدامات..86
فصل اول: اسلامی اداروں علماء اور میڈیا کا کردار:..86
جمعہ کے خطبات میں خودکشی پر روشنی:..86
مدارس میں نوجوانوں کی ذہنی تربیت:..87
فتویٰ مراکز اور مشاورت مراکز کا قیام:..88
نوجوانوں کے ساتھ مشفقانہ تعلق:..89
علمائے دین کا ابلاغی کردار:..90
دینی موقف اور سماجی ضرورت:..91
معاشرتی مسائل اور ان کا اسلامی حل:..92
اسلامی اقدار کے فروغ پر مبنی میڈیا پروگرامز:..94
ڈراموں فلموں اور ٹاک شوز میں مثبت اسلامی پیغام:..95
خودکشی پر مبنی منفی مواد کی روک تھام:..96

منفی مواد کی اقسام: 96

دینی اسکالرز کے ساتھ مل کر خصوصی سیریز ڈاکیومینٹریز: 97

میڈیا اور علماء کا اشتراک: 97

"زندگی کی امید" مہمات: 98

سوشل میڈیا پر دینی رہنمائی: 99

بین المذاہب اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی کی کوششیں: 100

مختلف مکاتبِ فکر کی مشترکہ کاوشیں: 101

اسلامی ریاست: 102

علماء کو پالیسی سازی میں شامل کرنا: 103

خودکشی پر دینی بیانیے کو قانون کا حصہ بنانا: 104

فصل دوم: گلگت میں خاندانی، معاشرتی اور حکومتی ذمہ داریاں: 105

والدین کی ذمہ داریاں: 106

اساتذہ کرام کی ذمہ داریاں: 109

حکومتی ذمہ داریاں: 110

معاشرتی ذمہ داریاں: 112

ادارہ صحت کی ذمہ داریاں: 113

مصادر و مراجع 125

موضوعِ تحقیق کاتعارف:

خودکشی(Suicide)عصرِ حاضر کاایک نہایت سنگین سماجی ونفسیاتی مسئلہ ہے جو نہ صرف انفرادی سطح پر انسانی زندگی کے خاتمے کا سبب بنتا ہے بلکہ خاندانی اور معاشرتی سطح پر بھی گہرے اثرات مرتب کرتا ہے۔عالمی ادارۂ صحت(WHO) کے اعداد و شمار کے مطابق ہر سال دنیا بھر میں لاکھوں افراد مختلف سماجی، نفسیاتی اور معاشی دباؤ کے تحت اپنی زندگی کا اختتام کر دیتے ہیں، جس سے یہ مسئلہ عالمی صحتِ عامہ کے لیے ایک چیلنج کی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔

پاکستان میں بھی خودکشی کے واقعات ایک ابھرتا ہوا سماجی مسئلہ ہیں۔ بالخصوص گلگت بلتستان جیسے خطے میں، جو اپنی جغرافیائی اہمیت، ثقافتی تنوع اور سماجی پیچیدگیوں کے باعث نمایاں مقام رکھتا ہے، خودکشی کے بڑھتے ہوئے رجحانات نے ماہرینِ سماجیات، نفسیات اور پالیسی سازوں کی توجہ اپنی جانب مبذول کرائی ہے۔ یہاں کے اعداد و شمار اس حقیقت کو اجاگر کرتے ہیں کہ نوجوان نسل اور خواتین خودکشی کے زیادہ شکار دکھائی دیتے ہیں، جس کے پسِ منظر میں معاشرتی دباؤ، خاندانی تنازعات، ذہنی صحت کے مسائل، تعلیمی اور معاشی عدم استحکام جیسے عوامل کارفرما ہیں۔

ماہرین کے مطابق گلگت میں خودکشی کی بنیادی وجوہات میں ذہنی دباؤ، خاندانی جھگڑے، تعلیمی و معاشی مسائل، معاشرتی رویے اور بعض اوقات رشتہ داری وشادی سے متعلق مسائل شامل ہیں۔ چونکہ اس خطے میں صحتِ عامہ خصوصاً ذہنی صحت کی سہولیات محدود ہیں، اس وجہ سے متاثرہ افراد بروقت مناسب علاج اور رہنمائی سے محروم رہ جاتے ہیں۔

اس مسئلے کی شدت کو دیکھتے ہوئے ضروری ہے کہ اسے محض انفرادی کمزوری کے بجائے ایک وسیع سماجی و نفسیاتی بحران کے طور پر سمجھا جائے۔ گلگت میں خودکشی کے مسئلے کو اجاگر کرنا، اس کی وجوہات کا تعین کرنا اور اس کے ممکنہ حل تلاش کرنا نہ صرف تحقیقی لحاظ سے اہم ہے بلکہ اس خطے کی معاشرتی اور انسانی ترقی کے لیے بھی ناگزیر ہے۔

ضرورت واہمیت(signification of study)

خودکشی کا بڑھتا ہوا رجحان نہ صرف ایک سماجی مسئلہ ہے بلکہ یہ انسانی زندگی کی قدر و قیمت پر بھی سوالیہ نشان لگاتا ہے۔ گلگت میں یہ رجحان خاص طور پر نوجوانوں میں زیادہ پایا جاتا ہے، جس کی وجہ سے یہ ایک فوری اور توجہ طلب مسئلہ بن چکا ہے۔

1. تحقیق کی ضرورت(Need of the Study)

گلگت بلتستان میں خودکشی کی شرح دیگر علاقوں کے مقابلے میں زیادہ ہے، اس لیے اس مسئلے کا سائنسی اور تحقیقی جائزہ لینا لازمی ہے۔ نوجوانوں خصوصاً طلبہ و طالبات میں بڑھتی ہوئی ذہنی دباؤ، بے روزگاری اور سماجی مسائل اس موضوع کو سمجھنے کے لیے مزید تحقیق کی ضرورت پیدا کرتے ہیں۔ خودکشی کے رجحان کے پیچھے ثقافتی، معاشرتی اور نفسیاتی عوامل کی نشاندہی کیے بغیر مؤثر پالیسی سازی ممکن نہیں۔ پہلے سے ہونے والی تحقیق محدود ہے، اس لیے نئے اعداد و شمار اور مشاہدات کے ذریعے اس خلا کو پر کرنا ضروری ہے۔

2. تحقیق کی اہمیت(Significance of the Study)

یہ تحقیق حکومت، سماجی تنظیموں اور ماہرینِ نفسیات کو پالیسی بنانے اور عملی اقدامات کرنے میں مدد دے گی۔ جس کی وجہ سے والدین، اساتذہ اور کمیونٹی کو خودکشی کے محرکات اور اس کی روک تھام کے طریقوں کو سمجھنے کا موقع ملے گا۔ جس کی وجہ سے اسلامی اور مقامی روایتی نقطہ نظر

سے مسئلے کو اجاگر کر کے عوامی شعور میں اضافہ کیا جاسکتا ہے۔ مستقبل کے محققین کو یہ تحقیق ریفرنس فراہم کرے گی تاکہ وہ مزید گہرائی میں جا کر کام کر سکیں۔

سابقہ کام کا تحقیقی جائزہ(literature review)

مقالہ جات اور آرٹیکل

خودکشی پر مختلف مکاتب فکر نے بحث کی ہے مختلف پہلوؤں پر کیے گئے کام کا مختصر جائزہ حسب ذیل ہے-

1۔ پاکستان میں خودکشی کے اسباب اور اسلامی تعلیمات میں ان کا تدارک۔ عائشہ صدیقی۔" ایم فل، یونیورسٹی آف لاہور، 2020

اس مقالہ میں پاکستان میں خودکشی کے اسباب کا جامع تجزیہ پیش کرتی ہے اور اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ان کے تدارک کے لیے تجاویز فراہم کرتی ہے- اگرچہ یہ مطالعہ قومی سطح پر ہے، لیکن اس کے نتائج گلگت بلتستان کے سیاق وسباق میں بھی قابل اطلاق ہو سکتے ہیں۔

2-شمالی پاکستان میں ذہنی صحت کے مسائل اور خودکشی: اسباب اور تدارک" خان، زینب۔ پی ایچ ڈی پنجاب یونیورسٹی لاہور-2021

اس تحقیق میں شمالی پاکستان، بشمول گلگت بلتستان میں ذہنی صحت کے مسائل اور خودکشی کے اسباب کا مطالعہ کیا گیا ہے۔ مصنفہ نے اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ان مسائل کے حل کے لیے تجاویز پیش کی ہیں-

4-**"پاکستانی معاشرے میں خودکشی: سماجی اور مذہبی پہلوؤں کا تجزیہ۔"** احمد، فرید۔ پی ایچ ڈی رفاہ یونیورسٹی اسلام آباد، 2019۔

اس مقالہ میں پاکستانی معاشرے میں خودکشی کے سماجی اور مذہبی پہلوؤں کا تجزیہ کرتی ہے۔ مصنف نے اسلامی تعلیمات کی روشنی میں خودکشی کے تدارک کے لیے ممکنہ حکمت عملیوں پر روشنی ڈالی ہے۔

5-پاکستان میں خودکشی کے بڑھتے رجحانات کے اسباب اور اسلامی وروحانی تعلیمات کی روشنی میں تدارک۔" مصطفی، غلام، اور محمد وحید الزمان۔ ایم فل یونیورسٹی آف سرگودھا، 2024

اس تحقیق میں پاکستان میں خودکشی کے بڑھتے ہوئے واقعات کے اسباب کا تجزیہ کیا گیا ہے اور اسلامی وروحانی تعلیمات کی روشنی میں ان کے تدارک کے لیے ممکنہ حل پیش کیے گئے ہیں۔ اگرچہ یہ تحقیق گلگت بلتستان پر مخصوص نہیں ہے۔ لیکن اس کے نتائج اور سفارشات اس خطے کے لیے بھی مفید ہو سکتی ہیں۔

7-گلگت بلتستان اور چترال میں خودکشیاں: اسباب، اثرات، اور روک تھام کے لیے تجاویز۔" چترال ٹائمز، نومبر 2024

گلگت بلتستان میں خودکشی کے بڑھتے رجحان کی جامع تحقیق کے لیے اعلیٰ سطحی کمیٹی کا قیام۔" اسلام ٹائمز، جولائی 2022

8"**انسداد خودکشی اور ذہنی صحت کے حوالے سے مربوط پالیسی کی تشکیل کیلئے گلگت بلتستان میں مشاورتی ورکشاپ۔** صدیقی، ثمین چترال ٹائمز، 2023

9-پاکستان میں خودکشی کے بڑھتے رجحانات کے اسباب اور اسلامی وروحانی تعلیمات کی روشنی میں تدارک" معارف، اولیاء 2023

10-**اسلامی نفسیات کے تناظر میں خودکشی کے اسباب اور اس کی روک تھام قرآن وسنت کی روشنی مقالہ نگار: عالم زیب خٹک**

11-**لاہور مسلم تناظر میں خودکشی کی روک تھام اور بحالی** (15ویں کانفرنس بوقت: 2019)

اس مقالے کا مقصد قرآن وسنت کا حوالہ دیتے ہوئے خودکشی، خودکشی کے عوامل، خودکشی کے روک تھام کے عوامل پر گفتگو کرنا ہے۔

12-مسلم دنیامیں خود کشی اور آگے کا راستہ: مشیل نیلسن: خود کشی کسی اعلی مقاصد کے کے لیے مرنا- تھیس شعبہ سوشیالوجی، سمسٹر بہار 2017
یہ مقالہ خود کشی اور معاشرے کے بارے میں در خائم کے نظریہ کو استعمال کرتے ہوئے مسلم خواتین خود کشی بمباروں کے محرکات کا تجزیہ کرتا ہے

13-پاکستان میں خود کشی کے اسباب اور اسلامی تعلیمات میں ان کا تدارک، عائشہ صدیق، ایم فل مقالہ یونیورسٹی آف لاہور۔
خود کشی کی روک تھام کے لیے اسلامی تعلیمات میں مثبت سوچ، صبر و قناعت، اور مضبوط خاندانی و سماجی تعلقات کو فروغ دینے کی ہدایت دی گئی ہے

Emile Durkheim-14 کی 1897 میں شائع ہونے والی ایک مشہور **لی سوسائیڈ کتاب ہے**
جس میں انہوں نے خود کشی کو ایک سماجی مسئلہ کے طور پر پیش کیا اور اس کے پیچھے موجود سماجی وجوہات کو سائنسی انداز میں تجزیہ کیا۔

15-پاکستانی معاشرے میں خود کشی کے اسباب و محرکات اسلامی تعلیمات حنا مقالہ ایم اے ریفا انٹر نیشنل یونیورسٹی فیصل آباد
یہ نوجوانوں کے لیے زندگی کے حالات اور مشکلات کا بہادری سے سامنا کرنے اور خود کشی جیسے کاموں سے بچنے کے لیے مفید ثابت ہوگا۔

16-پنجاب پولیس میں خود کشی کا رجحان، اسباب اور تدراک اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ایک تحقیقی جائزہ ، محسن ندیم: ایم فل مقالہ، یونیورسٹی آف گجرات
اس تحقیق میں اسباب اور ان کے اسلامی تعلیمات کی روشنی میں تدارک کا جائزہ لیا گیا ہے

17-اقدام خود کشی کے متعلق اسلام اور دیگر مذہبی تعلیمات کا تحقیقی جائزہ، حمیرہ پروین :ایم فل مقالہ ،اسلامک یونیورسٹی آف بہاولپور
اقدام خود کشی کے متعلق اسلام اور دیگر مذہبی تعلیمات کا تحقیقی جائزہ" میں خود کشی کے مسئلے کا مختلف مذاہب، خصوصاً اسلام، کی تعلیمات کی روشنی میں تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔

18-پاکستان میں خود کشی کے رجحانات کے اسباب کا ایک جائزہ، ثمینہ علی: ایم اے مقالہ ،یونیورسٹی آف پنجاب
اس تحقیق میں ملک میں خود کشی کے بڑھتے ہوئے رجحانات اور ان کے پس پردہ عوامل کا تفصیلی تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔

19-خود کشی اور اسلامی تعلیمات، ثناءاللہ: ایم اے مقالہ، یونیورسٹی آف بلوچستان
اس تحقیق میں خود کشی کے مسئلے کا اسلامی نقطہ نظر سے تفصیلی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

20-دراز افشاں پاکستان کے اعلی تعلیم کے اداروں میں خود کشی کے واقعات عوامل اور حفاظتی مضمرات ، محمد عفان، یہ مقالہ اعلی تعلیمی اداروں سے متعلق طلبہ اور فیکلٹی کے ساتھ خود کشی کے یہ تین واقعات کا ایک کراس کیس تجزیہ ہے

21-پاکستان میں خود کشی کی کوشش کو مجرمانہ قرار دینا علاج سزا نہیں (تجزیاتی مطالعہ)، سارہ حور: قائد اعظم یونیورسٹی 28.2020 میں لکھا گیا
یہ تحقیق خود کشی اور خود کشی کی کوشش کو مجرم بنانے" کے مسئلے پر گہری بصیرت فراہم کرگئی ہے۔

22-دی جرنل آف کرائسز انٹروینشن اینڈ سوسائیڈ پریوینشن 31-2000، مراد موسی خان
یہ مقالہ اس وسیع پیمانے پر پائے جانے والے اس عقیدے کو چیلنج کرتا ہے کہ پاکستان جیسے اسلامی ملک میں خود کشی ایک نایاب واقعہ ہے اور صحت عامہ کے اہم مسئلے پر ثقافتی مخصوص تحقیق کی ضرورت پر زور دیتا ہے

23-نوجوان مسلمانوں میں خود کشی سے متعلق غیر خود کشی کی کھوج اسلامی نقط نظر سے:افکار جرنل-25 online article publish 2025

اس تحقیق کا مقصد اسلامی نقطہ نظر سے نوجوان افراد میں غیر خودکشی خود کو چوٹ پہنچانے کے رجحان کو تلاش کرنا ہے خودکشی ایک پیچیدہ سماجی، نفسیاتی اور مذہبی مسئلہ ہے، جس پر مختلف مکاتب فکر نے تحقیقی کام کیا ہے۔ مختلف مطالعات میں قرآن و سنت، اسلامی فقہ، نفسیاتی تجزیے، سماجی عوامل، اور قانونی پہلوؤں کا جائزہ لیا گیا ہے۔

تحقیقی خلاء(Research gap):

گلگت میں خودکشی کے اسباب اور ان کے حل پر کوئی خاص تحقیق نہیں کی گئی۔ خاص طور پر اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اس مسئلے کا تجزیہ اور اس کا حل تلاش کرنے پر کوئی جامع تحقیق دستیاب نہیں ہے یہ تحقیق اس کمی کو پورا کرنے کے لیے کی جا رہی ہے تاکہ خودکشی کے مسائل کو اسلامی سماجی اور نفسیاتی پہلوؤں سے جانچ کر ایک موثر حل پیش کیا جا سکے۔

بیان مسئلہ(Statement of the problem):

گلگت میں خودکشی کی بڑھتی ہوئی شرح ایک سنگین سماجی مسئلہ بن چکی ہے۔ نوجوان نسل، خاص طور پر طلبہ اور بے روزگار افراد، سب سے زیادہ متاثر ہو رہے ہیں۔ یہ مسئلہ نہ صرف انفرادی نقصان کا باعث بنتا ہے بلکہ پورے معاشرے کی ذہنی و سماجی صحت پر بھی منفی اثرات مرتب کرتا ہے۔

مقاصد تحقیق(Objectives of the study):

- گلگت میں خودکشی کے بڑھتے ہوئے رجحانات اور اسباب کو واضح کرنا۔
- اسلامی اصولوں کے مطابق خودکشی کو کم کرنے کے لئے اقدامات کو واضح کرنا۔

سوالات تحقیق(Research questions):

- گلگت میں خودکشی کے بڑھتے ہوئے رجحانات کے بنیادی اسباب کیا ہیں؟
- اسلامی اصولوں کی روشنی میں خودکشی کے تدارک کے لیے کون سے عملی اقدامات کیے جا سکتے ہیں؟

تحقیقی دائر کار:

تحقیق کو طوالت سے بچانے کے لیے صرف گلگت میں ہونے والی خودکشی پر انحصار کیا گیا ہے۔
یہ تحقیق خاص طور پر مسلمانوں کے لیے مفید ہے، لیکن عمومی طور پر دیگر مذاہب کے افراد کے لیے بھی رہنمائی کی گئی ہے۔

منہج تحقیق:

تحقیقی حکمت عملی اور نقطہ نظر:

موضوع تحقیق کی نوعیت کے پیش نظر، تحقیقی طریقہ کار کے سلسلے میں درج ذیل نکات کو مد نظر رکھا جائے گا۔

- اس تحقیق میں ڈسکرپٹو اور معیاری (Qualitative) دونوں طریقہ تحقیق اپنائے گئے ہیں، جن میں انٹرویوز کے ذریعے حاصل کردہ معلومات کو موضوعاتی انداز میں تجزیہ کیا گیا ہے۔
- تاریخی طریقہ تحقیق کو مکالے کا حصہ بنایا گیا ہے۔
- تحقیق کے لیے فراہم کردہ مواد کی جانچ اور جمع کردہ معلومات کا مطالعہ لائبریری طرز تحقیق کے ذریعے کیا گیا ہے، جس میں مختلف کتابیں، مقالے اور تحقیقی آرٹیکلز شامل ہیں۔ حاصل شدہ مواد کا تجزیاتی مطالعہ کرکے تحقیق کے نتائج مرتب کیے گے ہیں۔
- تحقیق میں غیر ضروری طوالت اور تکرار سے گریز کیا گیا ہے۔
- حواشی و حوالہ جات کو آخر میں درج کیا گیا ہے۔
- مکالہ کے اختتام پر قرآنی آیات اور احادیث کی فہارس کو پیش کیا گیا ہے

ڈیٹا کلیکشن اور تجزیہ

- معلومات اور استدلالات کی ترتیب وتدوین میں بنیادی مصادر اور مراجع کی طرف رجوع کیا گیا ہے۔
- البتہ بوقت ضرورت ثانوی مصادر سے بھی استفادہ حاصل کیا گیا ہے۔
- جو اصطلاحات استعمال ہوں گی، حاشیے میں ان کی وضاحت کی گئی ہے۔
- مقالہ ہذا کی تکمیل کے لیے آرکائیوڈاٹ کام، محدث ڈاٹ کام، مکتبہ وقفیہ، مکتبہ شاملہ، مکتبہ جبریل اور دیگر مختلف ویب سائٹس وغیرہ سے مدد لی گئی ہے۔

تصوراتی خاکہ:

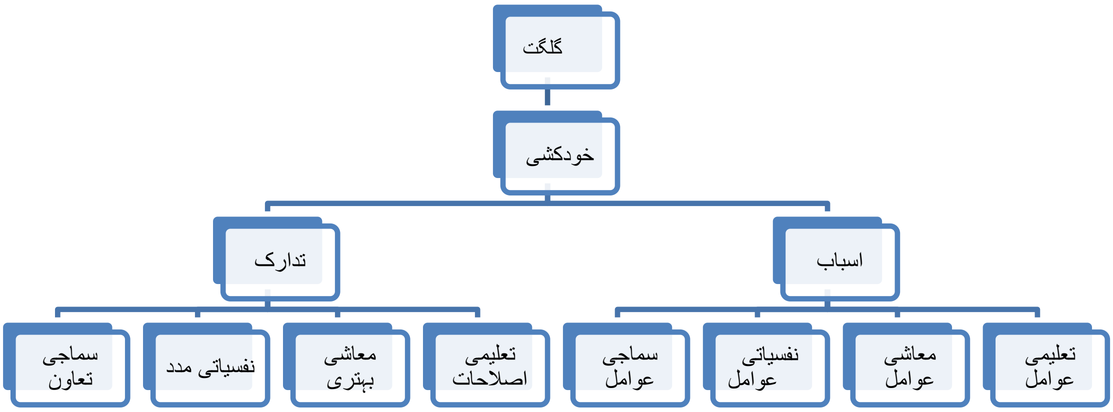

تحقیقی اخلاقیات(Research Ethics):

- مقالہ میں مذکور محترم شخصیات کا مکمل احترام ملحوظ رکھا گیا ہے۔
- مقالے میں اختلاف رائے کے آداب کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔
- نقل کرنے میں ہر عبارت باحوالہ نقل کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے۔
- مقالے میں غیر سنجیدہ اور ناشائستہ زبان وبیان سے اجتناب کیا گیا ہے۔
- عربی اور انگریزی کے اقتباسات نقل کرنے کے ساتھ ترجمہ کا اہتمام کیا گیا ہے۔

ابواب وفصول:

باب اول تعارفِ خودکشی اور اسلامی تعلیمات

فصل اول گلگت کا تعارف

فصل دوم خودکشی کی تعریف، اقسام

فصل سوم خودکشی کے حوالے سے اسلامی تعلیمات

باب دوم گلگت میں خودکشی کے اسباب وعوامل، خودکشی کی شرح اور انٹرویوز

فصل اول گلگت میں خودکشی کے نفسیاتی معاشی اور سماجی اسباب

فصل دوم اسلامی معاشرے میں خودکشی کے عوامل

فصل سوم گلگت میں خودکشی کی شرح، انٹرویوز

باب سوم گلگت میں خودکشی کی روک تھام کے لیے اقدامات

فصل اول اسلامی اداروں، علماء اور میڈیا کا کردار

فصل دوم خاندانی، معاشرتی اور حکومتی زمہ داریاں

باب اول: تعارفِ خودکشی اور اسلامی تعلیمات

فصل اول: تعارف تحقیق

گلگت کا جغرافیائی پس منظر:

جغرافیائی لحاظ سے بھی یہ علاقہ انتہائی اہمیت کا حامل رہا ہے۔اس کی شمال مغربی سرحد چین اور افغانستان سے ملتی ہے اور جنوب مشرقی سرحد میں ہندوستان کے زیر کنٹرول کشمیر اور پاکستان سے جاملتی ہیں۔ جنوب میں مقبوضہ کشمیر شمال میں ترکستان اور دواخان کی پٹی موجود ہے۔ مشرق میں چین اور مغرب میں چترال کا علاقہ شامل ہے۔ جغرافیائی لحاظ سے شمالی علاقوں کے چاروں طرف افغانستان، چین، ہندوستان اور روس کی سرحدیں موجود ہیں۔ماضی میں ان علاقوں سے تعلق رکھنے والی اقوام یعنی افغان، چین، تبتی، سکھ، ہندو اور آریائی کے ساتھ ساتھ انگریز اقوام بھی ان راستوں سے گزرے۔یہی وجہ ہے کہ ان اقوام نے ان علاقوں کو مختلف تہذیبوں اور زبانوں کا گہوارہ بنادیا ہے۔[1]

رشید اختر ندوی کی تحقیق کے مطابق ان ترکی قبیلوں کے جن کی بنیادی یا بڑے ٹھکانوں کا ذکر کیا گیا ہے جو موجودہ گلگت، ہنزہ، اسکردو اور بلتستان ہی ہیں تاریخ دانوں، جغرافیہ دانوں محققین اور لسانی روابط کی تلاش کرنے والوں کے لیے یہ خطہ ہمیشہ سے پراسرار رہا ہے۔ جس کا کھوج لگانے کی ہر ممکن کوشش کی جاری ہے۔بلندوبالا چوٹیوں، دریاؤں اور گلیشیئروں نے اس خطہ کو سیاحوں کا جنت بنادیا ہے۔[2]

گلگت کا موجودہ جغرافیہ:

پاکستان کے انتہائی شمال میں قراقرم، ہندوکش اور ہمالیہ کے سلسلے ہائے کوہ میں گھرا ہوا خوب صورت ہرا وادیوں پر مشتمل شمالی علاقہ جات کہلاتا ہے۔دوسرا نام گلگت بلتستان ہے گلگت بلتستان میں مندرجہ ایل اضلاع ہیں۔ گلگت سکردو، گانچھے، ہنزہ انگر، استوار، دیامر غذر۔

گلگت بلتستان کا رقبہ:

شمالی علاقہ جات جن کا مجموعی رقبہ ستائیس ہزار (۲۷۰۰۰) مربع میل ہے۔اس وقت تک سات اضلاع پر مشتمل ہے جن میں گلگت، سکردو، گانچھے، ہنزونگر، استوار، دیامر، غذر ہیں۔ گلگت سے مشرق کی جانب بلتستان کا علاقہ آجاتا ہے جسے تاریخ میں تبت کو چک بھی کہا گیا ہے۔ گلگت سے مغرب کی جانب غذر کے علاقہ جات یعنی پونیال، اشکومن، گوپس وغیرہ آجاتے ہیں پھر گوپس سے مغرب کی جانب درہ شندور سے آگے چترال شروع ہو جاتا ہے۔ اس طرح گلگت کے شمال میں ہنزہ نگر کی سابقہ ریاستیں ہیں اور پھر ہنزہ کے شمال میں درہ خنجراب سے گذر کر عوامی جمہوریہ چین داخل ہونا پڑتا ہے پھر ان مختلف وادیوں کے چاروں جانب مشہور تاریخی درے واقع ہیں جن میں درہ مشک، درہ گلگت خنجراب (۱۸۸۰۰)، درہ (۱۵۵۶۰) درہ شندور (۱۳۲۲۰) دورہ بابوسر (۱۳۶۹۰) برزل، اوری (۱۰۵۰۰) وغیرہ ہیں۔ قدیم زمانے میں گھوڑوں اور خچروں کے ساتھ سفر کیا کرتے تھے۔[3]

---

[1]۔ غلام حسن، **تاریخ بلتستان**، ویری ناگ پبلشرز آزاد کشمیر، 1992، صفحہ: 16

[2]۔ ڈاکٹر عظمیٰ سلیم، **شمالی علاقہ جات میں اردو زبان**، ورڈمیٹ اسلام آباد، 2008ء، صفحہ: 31

[3]۔ سید علامہ طاہر، **شمالی علاقہ جات کا لسانی اور ادبی جائزہ**، پرنٹنگ پریس بلیوایریا اسلام آباد، 1999، صفحہ: 20

قدیم تاریخی پس منظر:

قدیم اور جدید مؤرخین اس بات پر متفق ہیں کہ تاریخی پس منظر میں زمین پر انسان کی آمد اور اس کی پیش رفت کا کوئی مرکز ہوتا ہے اور زمین کا قاعدہ ہے کہ یہ بھی آباد اور کبھی ویران و برباد ہوتی ہے یہی صورت حال بلتستان کا بھی ہے ہزاروں برس قبل اس پہاڑی اور برفانی ویران وسنسان زمین کی طرف رخ کرنے والے انسان نے یہاں کے پہاڑی کھوکھوں کو اپنا گھر بنالیا ہوگا یہ غذا کی تلاش میں جانوروں کا شکار کرتے اور برفانی وادیوں میں زندگی بسر کرتے ہونگے۔ شکار اور گلے بانی سے اپنے پیٹ پالتے ہوں گے پھر دریاؤں کے کنارے یا چشموں کے نزدیک محدود پیانے پر غلہ اگاتے ہوں گے ابتداء میں چراگاہیں سطح مرتفع پر واضح تھیں۔اس طرح وہ مال مویشوں کو گھاس والی جگہوں کی طرف پھیرتے اور گھاس انہیں وہی ملتی جہاں پانی میسر ہوتا۔ وہ پانی اور گھاس کی تلاش میں خانہ بدوشانہ زندگی گزارنے کو ہی ترجیح دیتے تھے۔[1]

گلگت بلتستان کی تاریخ ہزاروں برس پرانی ہے۔ یہاں معاشرتی ارتقاء کئی ہزار سال قبل مسیح بتایا جاتا ہے۔ ابتداء میں معاشرے بے ربط اور غیر منظم آبادی پر مشتمل تھی۔ ایک روایت کے مطابق وسط ایشیا کے گرد نواح سے ہجرت کرکے آنے والوں نے اس علاقہ کو آباد کیا۔ تبت اور منگولیا سے چراگاہوں کی تلاش میں نکلنے والے خانہ بدوش بکریوں والوں نے یہاں مستقل سکونت اختیار کی اور مختلف وادیوں کو آباد کیا۔ ابتدا میں ان آباد کاروں کا کوئی اپنی رہائش کے لیے کوئی نقل مکان نہیں تھا۔ اور اپنے خیموں کے مکان ادھر ادھر اٹھا کر لے جانے میں آسانی ہوتی تھی۔ لکڑی اور چمڑے سے ساز و سامان بناتے تھے۔[2]

گلگت کا تعارف:

گلگت بلتستان ایک کثیر المانی خطہ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ صدیوں سے ان علاقوں میں ایران، افغانستان اتر کی چین اور ہندوستان وغیرہ سے لوگوں کی آمد و رفت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس محلے کا نہ کوئی ایک کھر ہے نہ کوئی ایک زبان، صوبوں سے یہاں آکر رہنے کے باوجود مختلف تہذیبوں سے تعلق رکھنے والے اور مختلف زبان بولنے والے لوگوں میں صدیوں کے فاصلے ہیں۔ گلگت مختلف تہذیب اور زبانوں کے بولنے والوں کی آماد گاہ ہے۔[3]

تاریخی اہمیت:

یہ علاقہ اپنے محل وقوع کے لحاظ سے ہمیشہ خصوصی اہمیت کا حاملہ رہا ہے اس خطے کی سرحدوں سے چین، روس، بھارت اور افغانستان کی سرحدمیں ملتی ہیں یہ علاقہ پہاڑوں اور حسین وادیوں کی منظروں کی وساطت سے سیاحوں کی توجہ کا مرکز بنا رہا ہے۔ ہر سال ملکی و غیر ملکی کوہ پیما ان

---

[1]۔ محمد حسرت موہانی، **پیغام آشنا**، ثقافتی قونصلیٹ ایران اسلام آباد، 2001، صفحہ: 137

[2]۔ احمد حسن، **شاہ رئیس خان کی تاریخ گلگت**، سنگ میل پبلی کیشنز، 2000ء، صفحہ: 217

[3]۔ سید علامہ طاہر، **شمالی علاقہ جات کا لسانی اور ادبی جائزہ**، صفحہ: 18-91

پہاڑوں کو سر کرنے کے لیے آتے ہیں[1]۔اس خطے سے دنیا کی دشوار گزار شاہراہ گزرتے ہیں۔ چٹان کی تجارت بر صغیر کے ساتھ اسی راستے سے ہوتی ہے اس وجہ سے شاہراور ٹیم کے نام سے مشہور ہے۔ پاک چین دوستی اسی شاہراہ کے وساطت سے شروع ہوتی ہے۔[2]

قدیم تاریخی پس منظر:

ان تمام علاقوں میں ایک ہی تہذیب ایک ہی طرز معاشرت اور ایک ہی نسل کے حامل لوگ آباد ہے ہیں۔ پہاڑی فصیلوں اور قدرتی رکاوٹوں کی وجہ سے یہ علاقہ آزاد اور علیحدہ رہا۔ ابتدا میں یہ علاقہ حکومت ایران کی عملداری میں شامل تھا۔اس کے بعد مہاراجہ کنشک کے جب اس کی حکومت پشاور ترکستان اور کاشغر تک پھیلی ہوئی تھی قبضہ اقتدار میں چلاگیا۔ چین پر جب خاندان ٹانگ بر سر اقتدار آئی تو یہ علاقہ بولو کے نام سے ایک علیحدہ صوبہ قرار پایا اور چینی حکومت کے تحویل میں چلا گیا۔ آٹھویں صدی کے آخر میں عرب فاتحین نے ترکستان کے ساتھ یہاں سے چینی اقتدار کا خاتمہ کر دیا۔ مغلوں کے دور میں یہ علاقہ بالکل آزاد اور خود مختار رہا۔[3]

تعلیمی صورت حال:

تعلیمی صورت حال پر ابتدا سے نظر ڈالی جائے تو تاریکی نظر آتی ہے۔ یہ علاقہ اپنی دنیا الگ بسائے ہوئے تھے۔ پہلی مرتبہ تعلیم کا سراغ مذہب اسلام کے تحت ملتا ہے جب شاہ ہمدان امیر کبیر سید علی ہمدانی کی آمد اس خطے میں ہوئی۔ اسلام قبول کرنے کے بعد اسلام کی تعلیم حاصل کرنا شروع کی۔ جس کی وجہ سے لوگوں کی زندگی میں تبدیلی آئی۔ اور انہوں نے مہذب معاشرے کی بنیاد رکھی۔ ڈوگرہ دوو سلطنت میں تعلیمی پس ماندگی عام تھی۔ انگریزوں کی آمد (۱۸۷۷ء) سے اس صورت حال میں بہتری پیدا ہوئی باقاعدہ تعلیم کا آغاز اسکردو میں پہلا پرائمری سکول ۱۸۹۲ء میں قائم ہونے سے ہوا۔اس کے کچھ عرصہ بعد اسی سال گلگت میں اردو میڈیم پانچ جماعتوں کا مدرسہ کھلا۔[4]

موسم:

گلگت بلتستان میں سب سے زیادہ جس چیز پر انحصار کیا جاتا ہے۔ وہ یہاں کا موسم ہے۔ اور جو چیز سب سے ناقابل اعتبار ہے وہ بھی یہاں کا موسم ہی ہے۔ یہاں موسم سرما طویل ہوتا ہے ستمبر میں خنکی شروع ہو جاتی ہے۔ اکتوبر سے موسم سرما کی شروعات ہوتی ہے نومبر سے مارچ تک وہ مہینے ہیں، جہاں موسم سرما اپنی شدت دکھاتا ہے۔ درجہ حرارت نقطہ انجماد سے بھی گر جاتا ہے۔ تعلیمی اداروں میں وسط دسمبر سے یکم فروری تک گلگت میں یکم مارچ تک تعطیلات ہو جاتی ہیں۔ سرد موسم کے باعث پروازیں اور زمینی آمد و رفت متاثر ہوتی ہے۔ بارش کے موسم میں لینڈ سلائڈنگ کے باعث سڑکوں پر تودے گرتے ہیں۔ اور آمد و رفت ناممکن ہو جاتی ہے۔ برف باری کے باعث پرواز نہیں ہو پاتی۔ موسم کی شدت عام روزمرہ زندگی اور مقامی لوگوں کے مزاج پر بھی اثر انداز ہوتی ہے۔

---

[1]۔ منشی محمد عزیز الدین، **تاریخ چترال**، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، 1991

[2]۔ راجہ محمد علی شاہ صبا، **نقیب آزادی**، ادبی بورڈ اسکردو، 1990ء، صفحہ:33

[3]۔ ڈاکٹر صابر آفاقی، **کشمیر اسلامی عہد میں**، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، 1982ء، صفحہ:91

[4]۔ شیخ محمد اقبال، **کلیات اقبال**، الحرا پبلشنگ اسلام آباد، 2000ء، صفحہ: 856

گلگت میں بولی جانے والی زبانیں:

گلگت بلتستان بہت سے وادیوں پر مشتمل ہیں جو ایک دوسرے سے خاصے فاصلے پر واقع ہیں گلگت بلتستان کا علاقہ بھی نام کی حد تک مستقل ہے مگر زمینی طور پر دونوں وادیوں میں ۱۵۵ کلو میٹر کا فاصلہ ہے۔ان علاقوں میں سے سات اضلاع شامل ہے ہر وادی کی اپنی اپنی رہن سہن اور تہذیب و تمدن ہے ہر وادی کی الگ پہچان اور ایک مخصوص زبان موجود ہے یہاں مقامی بولیاں بارہ ہیں ان میں بلتی شینا و بروشکی، روکی، واخی، کھوار، کوہستانی، کاشغری، پشتو، گوجری، فارسی، کشمیری شامل ہے اس کے علاوہ ہند آریائی اور انگری پر بھی بحث کی جاتی ہے۔[1]

بلتی زبان:

بلتستان کی علاقے کو تبت خورد کہا جاتا ہے اس علاقے کی زبان بنیادی طور پر بلتی ہے۔اس زبان کا مخصوص رسم الخط سے جس کو ای کے کہا جاتا ہے۔لداخ، بھوٹان، نیپال اور تبت اور چین کے صوبہ یونان، گانسو میں معمولی تبدیلیوں کے ساتھ بولی جاتی ہے۔دین اسلام کی آمد سے تحریری طور پر قبل یہی زبان رائج تھی۔اسلام کی اشاعت کے ساتھ ہی فارسی کا دور دورہ ہو گیا۔اسکردو ریڈیو پر اس زبان میں پروگرام نشر کیے جاتے اسکردو ہیں۔بلتی زبان میں قرآن مجید کا ترجمہ ہو چکا ہے اقبال کے نظموں کے تراجم کیے جا چکے ہیں۔

بروشسکی زبان:

یہ گلگت بلتستان کی تیسری بڑی زبان ہے۔بروشسکی زبان "برشال" یا" بروشو" نامی علاقے کی پہچان ہے جس کو عام طور پر ہنزہ کہا جاتا ہے۔اس زبان کا رسم الخط نہ ہونے کی وجہ سے اردو رسم الخط میں لکھی جاتی ہے۔اس زبان کے بارے میں اولین محقق نے یہ دعوی کیا ہے کہ اس زبان پر کسی اور زبان کے اثرات نہیں ملتے اور اس زبان کے اپنے الگ قواعد ہیں۔بعد میں ڈاکٹر سید یوسف بخاری اس زبان کے بارے میں خیال کا اظہار کیا کشمیر میں آباد ابتدائی ناگ قوم کی زبان بروشسکی ہے۔بعض لوگوں کا خیال ہے۔ہندی، ترکی، پشتو، فارسی اور عربی کے اثرات بھی نظر آتے ہیں۔یہ زبان ہنزہ نگر اور غذر کے علاقوں میں بولی جاتی ہے۔[2]

واخی:

پیر زبان گلگت بلتستان کی ایک سرحدی پٹی میں بولی جاتی ہے۔جو ہنزہ کی کچھ وادیوں مسگار، گلمت اور شمشال پر مشتمل ہے۔اس زبان کے بولنے والے واخان (روس کی سرحدی پٹی) سے ہجرت کر کے یہاں آئے ہیں۔یہ زبان بھی زیادہ قدیم ہے۔نسل کے اعتبار سے یہ لوگ افغانی اور روسی واخیوں کے قریب ہیں۔اس زبان کے بارے میں تاریخی شواہد نہیں ملتے۔[3] واخی زبان اردو اور فارسی حروف تہجی میں لکھی جاتی ہے۔پہلی مرتبہ حقیقت علی نامی شخص نے اور چین حروف تہجی۔پر مشتمل گرامر تیار کی۔بعد ازاں بھی احمد جامی نے اردو دان طبقے کے لیے وفی قاعدہ" مرتب کیا جس میں ۳۵ حروف تہجی مرتب کیے۔جس کے بعد اس زبان کے ادب کی ترقی کے لیے باقاعدہ منظم کوششیں کی جا رہی ہیں۔[4]

---

[1]۔سید عالم، **شمالی علاقہ جات کا ادبی جائزہ**، صفحہ:22

[2]۔علامہ نصیر الدین ہنزائی، **شمول بوق**، شعبہ تصنیف و تالیف ترجمہ: جامعہ کراچی، 2002ء، صفحہ:27

[3]۔علامہ نصیر الدین ہنزائی، **شمول بوق**، صفحہ:28

[4]۔ڈاکٹر شجاع ناموس، **گلگت اور شینا زبان**، فیروز سنز لاہور، 1961ء، صفحہ:35

کھوار:

کھوار کا تعلق چترال زبان سے ہے لہذا اسے چترالی زبان بھی کہا جاتا ہے۔ یہ ایک قدیم زبان ہے ڈاکٹر ذودنے بھی اس زبان کو دردستانی زبانوں کا حصہ قرار دیا ہے۔ اس زبان کے بولنے والے شمالی علاقہ جات میں کم ہیں چترال کے آباد کار قبیلے ہی اس زبان کو بولتے ہیں یہ زبان پشتو سے بھی ملتی جلتی ہے اور مینا سے بھی لیکن اس کی ایک شناخت ہے اس طرح گرامر اور قواعد بھی متعین ہیں۔ کھوار زبان اردو رسم الخط میں رکھی ہیں۔ ان حروف جی کیا ہے یامال ہے ان ان کی کیا سے کیا چال میں باقاعدہ انجمن بنائی جا چکی ہے۔ گلگت بلتستان میں یہ زبان فی الحال محدود ہے۔[1]

ڈومکی:

اس زبان کو ڈومکی ڈوماکی اور ڈومکھی کئی طرح سے ادا کیا جاتا ہے۔ یہ تلفظ ڈوم سے نکلا ہے جو ڈھول بجانے والے لوگ ہیں۔ ان کو قدیم زبان نہیں کہا جاتا ہے کیونکہ یہ گلگت بلتستان سے تعلق نہیں رکھتے بلکہ باہر سے آئے ہوئے لوگ ہیں۔[2]

کوہستانی:

کوہستانی زبان دریائے سندھ کے ساتھ ساتھ ضلع کوہستان کے علاقے میں بولی جاتی ہے۔ قدیم زمانے سے اس کو زودی زبانوں میں شامل کیا گیا ہے۔ لیکن جدید کے مطابق یہ ان زبانوں ہی کی ایک شاخ ہے۔ روزگار کے لیے کوہستان میں بس جانے والے لوگوں نے شینا زبان کے کچھ مختلف لہجے اپنائے جو ھونا سے ملتے جلتے ہیں گلگت بلتستان کے علاقوں کے خطے گلگت کے علاوہ داریل، تانگیر اور چلاس میں بھی بولی جاتی ہے۔ اس کے بولنے والے بھی زیادہ نہیں ہیں۔ البتہ وقت کے ساتھ ساتھ ان کی تعداد بڑھ رہی ہے۔[3]

پشتو:

پشتو پختون قوم کی زبان ہے۔ گلگت بلتستان میں پشتو کا عمل اس وقت سے چلا آرہا ہے جب گلگت بلتستان نے الگ نام نہیں پایا تھا۔ پہاڑی وادیوں میں آپس میں روابط قائم تھے۔ کچھ خاندانوں کے مابین رشتے ہوتے اور کچھ تجارت پیشہ افراد نے اس علاقے میں رہائش اختیار کی قیام پاکستان کے بعد یہ روابط گہرے ہوتے چلے گئے۔ اس وقت گلگت بلتستان میں پٹھانوں کی ایک کثیر تعداد مقیم ہے۔ جو تجارت کے علاوہ بھی مقامی انتظامی صورت حال میں برابر کے دخیل ہیں۔ بقیہ زبانوں کی نسبت پشتو کا گلگت بلتستان میں زیادہ عمل دخل ہے۔ اس کے بولنے والے کسی علاقے میں محدود نہیں بلکہ ہر وادی میں کاروبار میں مصروف ہیں۔ پشتو زبان عربی رسم الخط میں لکھی جاتی ہے[4]

فارسی:

فارسی کا اثر یہاں قدیم زمانے یعنی اسلام کے ساتھ ہی شروع ہو گیا۔ خصوصاً بلتستان میں کشمیر کی ریاست کے زیر اثر اور ایرانی علماء کی تبلیغ کے زیر اثر فارسی کا دور دورہ رہا۔ فارسی آج بھی یہاں لکھی پڑھی بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ قدیم دور سے اب تک فارسی کا اثر نمایاں رہا۔

---

[1]۔ ڈاکٹر شجاع ناموس، **گلگت اور شینا زبان**، صفحہ: 30

[2]۔ منظوم علی، **قراقرم ہندوکش**، برق سنز لمیٹیڈ اسلام آباد، 1986ء، صفحہ: 78

[3]۔ ڈاکٹر محی الدین قادری، **ہندوستان لسانیات**، مکتبہ معین الدین الآداب لاہور، 1961ء، صفحہ: 92

[4]۔ منظوم علی، **قراقرم ہندوکش**، صفحہ: 13

پروفیسر صابر آفاقی کی تحقیق کے مطابق:

خود اہل بلتستان میں بے شمار شعراء مراثی اور قصائد کہتے تھے۔ کئی علما نے فارسی نظم و نثر میں تصانیف بھی یادگار چھوڑی ہیں پاکستان میں سنی، شیعہ، نور بخشیہ، اسماعیلیہ فرقوں کے علاوہ بہائی دین کے لوگ بھی موجود ہیں۔ جن کی اپنی زبان فارسی ہے اور وہ مناجات فارسی میں پڑھتے ہیں ۔اب گلگت بلتستان میں فارسی بولی اور پڑھی جاتی ہیں۔[1]

کشمیری:

کشمیری زبان کا تعلق کشمیر سے ہے۔ مگر اس زبان کو شینا اور کوہستانی کے ساتھ ملا کر درستانی گروپ میں شامل کیا جاتا ہے۔ کشمیری زبان کو گلگت بلتستان کی چوتھی بڑی زبان کہا جاتا ہے۔ کشمیرے تعلق کے باعث کشمیریوں کی بڑی تعداد پاکستان بننے سے قبل اور بعد میں تجارت، پناہ، مزدوری،، ملازمت کے لیے آتی رہی اور ان میں سے کئی ایک یہاں بس گئے۔ اس زبان کے بولنے والے شمالی علاقوں کے تمام اضلاع میں موجود ہیں ۔ مگر گلگت اور اسکردو میں تو یہ لوگ باقاعدہ بعض محلوں اور علاقوں میں اپنی بہ حیثیت قوم شناخت رکھتے ہیں۔ یہ زبان اردو پنجابی اور فارسی کے قریب ہے۔

کئی لوگوں نے گلگت بلتستان میں ہی شادیاں کیے۔ پنجابی زبان کو پھیلانے میں افواج پاکستان کا بھی کردار ہے۔ سرحدوں کی حفاظت کرنے کی غرض سے دور دراز تک پنجاب کے فوجی جوان پہنچے ہیں۔ یوں ان کی زبان سیاچن، کارگل تک سفر کرتی ہے۔ اس زبان کا رسم الخط اور حروف تہجی دونوں وہی ہیں جو اردو زبان میں مستعمل ہیں۔[2]

انگریزی:

سیاحت و ثقافت کے حوالے سے گلگت بلتستان میں غیر ممالک سے لوگوں کا آنا جانا قدیم زمانے سے رائج ہے انگریزی بھی گلگت بلتستان کے کلچر میں داخل ہے۔ اس کی وجہ سے سیاحوں سے رابطہ انگریزی زبان کے ذریعے ہی ممکن ہوتا ہے۔ خرید و فروخت سامان اٹھانے کے لیے پورٹرز کی سہولت مقامی افراد کے ذریعے ہی حاصل ہوتی ہے۔ گائیڈ بھی مقامی طور پر ہی دستیاب ہوتے ہیں۔ جرمنی، ہالینڈ، فرانس، جاپان وغیرہ کے سیاح بھی خرید فروخت اور سیاحت کے دوران انگریزی کی اس صورتحال کے باعث سہولت محسوس کرتے ہیں۔[3]

ہندکو:

باقی تمام زبانوں کے علاوہ ہندکو اور پنجابی بولنے والوں کی تعداد میں بھی اب اضافہ ہو رہا ہے۔ قیام پاکستان کے بعد پہلی بار ہندکو بولنے والے پولیٹکل ایجنٹ گلگت میں آئے بعد میں کاروبار کی غرض سے آنے لگے ہیں۔ بیکری، ہوٹل سبزی منڈی وغیرہ کے کاروبار میں ہندکو بولنے

---

[1] ۔ سید عالم، **شمالی علاقہ جات کا ادبی جائزہ**، صفحہ: 22

[2] ۔ ایضاً

[3] ۔ شیر باز علی، **مجلہ کارواں**، کاروان ادب خپلو، 2000ء، صفحہ: 50

والوں کی اکثریت ہے۔ ہندکو زبان کی تاریخ قدیم ہے۔ یہ زبان اردو رسم الخط میں لکھی جاتی ہے۔ البتہ چند حروف تہجی کا اضافہ کیا گیا ہے۔ ہندکو زبان کے قواعد پنجابی زبان سے مرتب ہیں۔[1]

پنجابی:

پنجابی بولنے والوں کی اکثریت سرکاری ملازمین کی ہے۔ ابتدا میں جب تعلیم یافتہ لوگ موجود نہ تھے تو ان میں سے اکثر نے اپنی ملازمت کا آغاز اس علاقے میں ریٹائرمنٹ کے بعد یہی مقیم ہونے کا فیصلہ کر لیا۔[2]

[1] ۔شیر باز علی، **مجلہ کارواں**، صفحہ: 50
[2] ۔ایضاً

فصل دوم: خودکشی اور اس کی اقسام

خودکشی:

اردو لغت

خودکشی: اپنے ہی ہاتھوں اپنی جان لینا، اپنے آپ کو ہلاک کرنا۔[1]

Oxford English Dictionary.3

Suicide: The action of killing oneself intentionally[2].

Cambridge Dictionary.4

Suicide: The act of killing yourself intentionally, or a person who has done this[3].

Merriam-Webster Dictionary.5

Suicide: The act or an instance of taking one's own life voluntarily and intentionally[4].

لغوی مفہوم:

لفظ "خودکشی" دو الفاظ سے مرکب ہے: خود، اپنی ذات۔ کشی، مار ڈالنا (فارسی و سنسکرت الاصل)

یعنی لغوی اعتبار سے "اپنے آپ کو قتل کر دینا" خودکشی کہلاتا ہے۔[5]

اصطلاحی مفہوم:

اصطلاح میں:

"جب کوئی شخص دانستہ طور پر اپنی زندگی کو ختم کرے اور اس کے لیے ایسا عمل کرے جو موت پر منتج ہو، تو اسے خودکشی کہا جاتا ہے۔"

---

[1] ۔ فیروزالدین، اردو لغت (تاریخی اصول پر)، کراچی: اردو سائنس بورڈ۔ (2003)۔ (جلد 7، ص: 452

[2] Oxford University Press. (2023). Oxford English Dictionary (Online). Retrieved from https://www.oed.com

[3] Cambridge English Dictionary (Online). Retrieved from https://dictionary.cambridge.org۔ Cambridge University Press. (2023).

[4] Merriam-Webster.com Dictionary. Retrieved from https://www.merriam-webster.com, Merriam-Webster. (2023).

[5] ۔ فیروزالدین، ، لاہور: فیروز سنز، ص: 412

اسلامی وسماجی تعریف:

"خود کشی اس عمل کو کہا جاتا ہے جس میں انسان اللہ تعالی کی عطا کردہ امانت (جان) کو اپنی مرضی سے تلف کر دے، جو کہ اسلامی شریعت میں حرام اور گناہ کبیرہ ہے۔"[1]

نفسیاتی تعریف:

عالمی ادارۂ صحت (WHO) کے مطابق:

"Suicide is the act of deliberately killing oneself[2]".

خود کشی "لفظ "خود" اور "کشی" سے مرکب ہے۔ "خود" کے معنی ہیں "اپنا، اپنی ذات" اور "کشی" کا ماخذ فارسی لفظ کُشتن ہے جس کے معنی ہیں "مار ڈالنا"۔ چنانچہ "خود کشی" کا مطلب ہے "اپنے آپ کو مار ڈالنا" یا "اپنی جان لینا"۔[3]

عربی میں خود کشی کے لیے لفظ "اِنتِحار" استعمال ہوتا ہے، جو مادہ "نحر" (گلے پر چھری پھیرنا، ذبح کرنا) سے نکلا ہے۔

المنجد: " قَتَلَ نَفسَهُ" یعنی "اس نے اپنی جان لی۔"[4]

انگریزی میں "Suicide" مستعمل ہے، جو لاطینی زبان کے دو الفاظ sui (یعنی "اپنے") اور caedere (یعنی "قتل کرنا") سے مرکب ہے۔ لغوی طور پر اس کا مطلب ہے "اپنے آپ کو قتل کرنا"۔[5]

Oxford English Dictionary: "Suicide: The act of taking one's own life ".intentionally

کسی شخص کا اپنے آپ کو قصداً اور غیر قدرتی طریقے سے ہلاک کرنے کا عمل خُود کشی (suicide) کہلاتا ہے۔ زیادہ تر لوگ دماغی خرابی کی وجہ سے خود کشی کرتے ہیں اور بعض لوگ ایسے ہیں جو بیماری کی وجہ سے خود کشی کرتے ہیں۔[6]

قتل اور خود کشی کے بارے میں اسلامی تعلیمات کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ دونوں فعل حرام ہیں۔ اِن کا مرتکب اللہ تعالی کا نافرمان اور جہنمی ہے۔ در حقیقت انسان کا اپنا جسم اور زندگی اس کی ذاتی ملکیت اور کسبی نہیں بلکہ اللہ کی عطا کردہ امانت ہے۔ زندگی اللہ تعالی کی ایسی عظیم نعمت ہے جو بقیہ تمام نعمتوں کے لیے اساس کی حیثیت رکھتی ہے۔ اسی لیے اسلام نے جسم و جان کے تحفظ کا حکم دیتے ہوئے تمام افرادِ معاشرہ کو اس امر کا پابند کیا ہے کہ وہ بہر صورت زندگی کی حفاظت کریں۔ اسلام نے ان اسباب اور موانعات کے تدارک پر مبنی تعلیمات بھی اسی

---

[1] ۔ صحیح بخاری، کتاب الطب، حدیث: 5778

[2] WHO, Preventing Suicide: A Global Imperative, 2014, p. 12

[3] ۔ فیروز سنز پرائیویٹ لمیٹڈ، فیروز اللغات (لاہور: فیروز سنز پرائیویٹ لمیٹڈ، 2005)، ص 412

[4] ۔ لوئیس معلوف، المنجد فی اللغۃ والاعلام (بیروت: دار المشرق، 1986)، ص 83

[5] Oxford English Dictionary, Vol. XVII (Oxford: Oxford University Press, 2015), p. 245۔

[6] ۔ راشد نسیم، **خود کشی اور دور جدید**، ادارہ معارف اسلامی کراچی، صفحہ 11

لیے دی ہیں تاکہ انسانی زندگی پوری حفاظت وتوانائی کے ساتھ کارخانۂ قدرت کے لیے کارآمد رہے۔ یہی وجہ ہے اسلام نے کسی کو قتل کرنے اور خودکشی (suicide) کرکے اپنے آپ کو قتل کرنے کے عمل کو حرام قرار دیا ہے۔ اسلام کسی انسان کو خود اپنی جان تلف کرنے کی ہرگز اجازت نہیں دیتا۔ زندگی اور موت کا مالکِ حقیقی اللہ تعالیٰ ہے۔ جس طرح کسی دوسرے شخص کو موت کے گھاٹ اتارنا پوری انسانیت کو قتل کرنے کے مترادف قرار دیا گیا ہے اُسی طرح اپنی زندگی کو ختم کرنا یا اسے بلاوجہ تلف کرنا بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں ناپسندیدہ فعل ہے۔[1]

خودکشی مختلف مذاہب میں:

مذہب اسلام:

اسلام مذاہب کے لحاظ سے دنیا کا دوسرا بڑا ابلاک ہے تمام مسلم علماء کے نزدیک خودکشی حرام ہے اسلام اور تمام مسلمانوں کے نزدیک خود کش حملہ بھی حرام اور ناجائز ہے قرآن مجید میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا [2]

اور آپس میں کسی کو قتل نہ کرو بے شک اللہ تم پر مہربان ہے۔

عیسائیت میں خودکشی کا تصور:

عیسائیت میں زندگی خدا کی عطا اور اس کی امانت مانی جاتی ہے۔ بائبل میں واضح ہے کہ "خداوند ہی جان دیتا ہے اور وہی جان لیتا ہے"[3]۔ اس عقیدے کے مطابق زندگی اور موت پر اختیار صرف خدا کے پاس ہے، لہٰذا انسان کو اپنی یا کسی اور کی جان لینے کا حق نہیں۔

بائبل کے احکام میں "تو قتل نہ کرنا"[4] شامل ہے، جسے عیسائی علما خودکشی پر بھی منطبق کرتے ہیں، کیونکہ اپنی جان لینا بھی قتل کے دائرے میں شمار ہوتا ہے۔

بائبل میں چند مثالیں ملتی ہیں جہاں شخصیات نے خودکشی کی، جیسے ساؤل بادشاہ[5]، اخیتوفل[6]، اور یہوداہ اسکریوتی[7]۔ تاہم ان واقعات کو عبرت کے طور پر ذکر کیا گیا ہے، اور کہیں بھی ان کے عمل کی تعریف نہیں کی گئی۔

---

[1]۔ ابو بکر قدوسی، **قتل اور خودکشی جہنم کے راستے**، مکتبہ قدوسیہ اردو بازار لاہور، 2016

[2]۔ النساء: 14

[3] بائبل، سموئیل 2:6

[4] بائبل، خروج 20:13؛ استثنا 5:17

[5] بائبل، سموئیل 31:4

[6] بائبل، سموئیل 17:23

[7] بائبل، متی 27:5

عیسائی تعلیمات کے مطابق خودکشی ناامیدی اور خدا کی رحمت سے انکار کے مترادف ہے۔ بائبل یہ تعلیم دیتی ہے کہ خدا ہی انسان کا نجات دہندہ ہے: "خداوند میرا نجات دہندہ ہے؛ میں کس سے ڈروں؟"[1]۔اس لیے مشکلات میں صبر، دعا اور امید پر زور دیا جاتا ہے، نہ کہ زندگی ختم کرنے پر۔

یہودیت:

یہودی مذہب میں خودکشی کو سختی سے منع کیا گیا ہے کیونکہ زندگی کو خدا کی عطا کردہ امانت سمجھا جاتا ہے۔ تورات کے مطابق انسان "خدا کی صورت پر بنایا گیا" ہے[2]،اس لیے اپنی جان لینا خدا کی تخلیق کے خلاف بغاوت کے مترادف ہے۔اسی طرح تورات میں یہ حکم بھی ہے: "تو قتل نہ کرنا"[3] جسے یہودی مفسرین اپنی جان کے خاتمے پر بھی لاگو کرتے ہیں۔ مزید برآں، استثناء میں خدا بنی اسرائیل کو حکم دیتا ہے: "میں نے تیرے آگے زندگی اور موت، برکت اور لعنت رکھی ہے، سو تُو زندگی کو اختیار کر تاکہ تُو اور تیری نسل جیتے رہو"[4] یہ آیت صاف ظاہر کرتی ہے کہ یہودیت میں زندگی کا تحفظ سب سے بڑی دینی ذمہ داری ہے۔

تلمود کی تشریحات بھی اس بات پر زور دیتی ہیں کہ حتیٰ کہ اذیت یا ظلم کے وقت بھی انسان کو اپنی جان لینے کی اجازت نہیں۔ہاں البتہ تین صورتوں میں موت کو قبول کرنا (شہادت) جائز ہے: بت پرستی سے بچنے کے لیے، بے حیائی اور زنا سے بچنے کے لیے، اور قتلِ نفس کے گناہ سے بچنے کے لیے۔ لیکن ان صورتوں میں بھی انسان اپنی جان نہیں لیتا بلکہ دوسروں کے ہاتھوں مرنے کو قبول کرتا ہے۔اس طرح یہودی مذہب میں خودکشی خدا کی حاکمیت کو چیلنج کرنے اور نعمتِ حیات کی ناشکری کرنے کے مترادف ہے۔

خودکشی کی اقسام:

عالمی ریسرچ کے اندازوں کے مطابق کوئی شخص ایک سو چالیس مختلف نتیجے میں موت کو گلے لا سکتا ہے مگر عام طور پر اس ضمن میں چار بڑی قسمیں بیان کرتے ہی یعنی قدرتی موت حادثاتی موت خودکشی اور قتل۔اول الذکر تینوں وجوہات کی حد بندی بہت ہیں مشکل ہے۔نہ معلوم کب ایک قسم کی موت دوسری قسم کی موت میں شامل ہو جائے۔ یہ حالات پر منحصر ہے کہ ایک آدمی اپنی بیماری کو طویل و لاعلاج سمجھ کر دوا نہیں کھاتا اس کی موت کو عام آدمی تو قدرتی ہی سمجھیں گے مگر سائنسی اصطلاح میں وہ خودکشی ہو گی۔اسی طرح بہت تیز رفتاری سے گاڑی چلانے والے کو ہم لوگ زندہ دل کہیں گے گاڑی چلاتے ہوئے ہی اس کی موت واقع ہو تو ہم حادثہ ہی کہیں گے مگر سائنسی اصطلاح میں وہ خودکشی ہے۔ماہرین طب نفسیات اس معاملے میں بہت دور کی کوڑی لاتے ہیں۔وہ صرف اس موت کو قدرتی کہتے ہیں جو زیادتی عمر کی وجہ سے ہو باقی تمام یا تو حادثاتی ہوں گی یا خودکشی پر محیط۔ مگر جدید سائنس کے بعض داعی اس پر بھی شک کی نگاہ رکھتے ہیں ان کے

---

[1] بائبل، زبور 27:1

[2] کتابِ پیدائش (Genesis)، باب 1، آیت 27، 2000 The Holy Bible, Old Testament.

[3] ایضاً

[4] ایضاً

خیال میں مردہ انسانی خلیات میں دوبارہ حرکت پیدا کی جاسکتی ہے اگر اس خیال کو تقویت دی جائے تو اموات کی مندرجہ ذیل تین قسمیں بیان کی جاسکتی ہیں۔[1]

- پختہ نیت وارادہ کے ساتھ ہونے والی موت
- خام نیت اور خام ارادہ والی موت
- بغیر نیت اور بغیر ارادہ والی موت

پہلی قسم کی موت وہ ہوگی کہ جس میں آدمی اپنے اصل وقت سے پہلے مرنا چاہتا ہے خواہ اس کے محرکات کچھ بھی ہوں اور خواہ اس کے لئے کوئی سا بھی راستہ چنا جائے اس میں اشخاص کی جنس و عمر کا بھی تعین نہیں اسکو صریحا خودکشی کہا جاسکے گا۔

دوسری قسم کی موت میں آدمی جلد مرنا تو نہیں چاہتا مگر ایسے حالات پیدا کرلیتا ہے جس سے اس کی موت اپنے وقت سے پہلے آتی ہے۔اس کے لئے بعض لوگ کثرت سے لوگ شراب استعمال کرتے ہیں دوائیں کھاتے ہیں غیر محتاط انداز میں نشہ کرتے ہیں بلکہ ماہرین طب ونفسیات نے توسگریٹ نوشی کو بھی اسی مد میں شامل کردیا ہے اس موت میں مرنے والے کی خواہش میں کرنے کی چاہت کم اور بچائے جانے کی تمنا زیادہ ہوتی ہے۔[2]

تیسری قسم اور آخری یہ کہ آدمی بالکل مرنا نہیں چاہتا مگر حالات ایسے ہو جاتے ہیں یا پیدا کر لئے جاتے ہیں کہ وہ اپنی جسمانی تکلیفوں یا ذہنی عارضوں کے مطابق خود کو سہولیات بہم نہیں پہنچا سکتا۔ مثلاً ایسی بیماری کی زد میں آجانا جس کی تشخیص نہ ہو سکے یا ایسے عارضوں کا لاحق ہو جانا جس کا علاج اس کی دسترس سے بالکل باہر ہو اور ایسی مایوسی کے عالم میں مذکورہ شخص کے ذہن سے یہ بات شاذونادر ہی گزرتی ہے کہ زندگی موت میں سے پر کون سی چیز بے کار ہے اور کون سی عزیز لیکن یونہی ایک لمحے کے لئے اس کے دماغ پر کوئی بیرونی عمل اثر کرتا ہے اور اسی سوچ کے ناطے اس کی جان جان آفرین کے سپرد ہو جاتی ہے اور اسے یہ وہم بھی نہیں ہوتا کہ یہ آخری سوچ اتنی جان لیوا ہوگی۔

1960ء میں لاس اینجلیز امریکہ میں ان اقسام کی اموات کے لئے ایک ریسیرچ ہوئی جس کے تحت مشکوک حالت میں یا خودکشی سے مرنے والوں کے عزیز واقارب دوست احباب ورشتہ داروں سے موت کے بعد انٹرویوز ریکارڈ کئے گئے گفتگو کے نتیجے میں یہ بات ثابت کی گئی کہ ان اموات کا واقعی وجود ہے اور اسی طرح ہے جس طرح اوپر بیان کیے گئے نفسیاتی عمل کے مابین تحریر کیا گیا ہے۔[3]

---

[1]۔انعام الرحمن سحری، **خودکشی**، صفحہ:41

[2]۔خالد جاوید، **موت کی کتاب**، صفحہ:17

[3]۔شیخ احمد بن حجر، **قتل اور خودکشی**، مکتبہ قدوسیہ اردو بازار لاہور، نومبر 2016، صفحہ:19

مختلف فلاسفر کی روشنی میں:

ایمائل ڈرخائم:

ایمائل ڈرخائم کے مطابق زندگی کے بارے میں ہماری قدریں کتنی ہی نفیس ہوں لیکن خودکشی اپنی جگہ اٹل حقیقت ہے اس کو کوئی سا بھی نام دیا جاسکتا ہے۔ مختلف ملکوں میں قانونی موشگافیاں اور رسوم ورواج اس پر اثر انداز ہوتے ہیں ہم اس کی وجوہات کچھ بھی بیان کریں مگر اس کے وجود سے چشم پوشی اختیار نہیں کر سکتے ایک فرانسیسی ماہر عمرانیات ڈرخائم نے اس کی تین بڑی اقسام پر روشنی ڈالی ہے۔[1]

- خودپسندی اور انانیت سے بھرپور خودکشی (EGOISTIC)
- ناامیدی کے عالم میں خودکشی (ANOMIC)
- جذبہ قربانی سے سرشار خودکشی (ALTRUISTIC)

پہلی قسم کی خودکشی کی وجوہات میں بے روزگاری کاروبار میں نقصان مقدمہ میں شکست یا وہ تمام امور شامل ہیں جن کی وجہ سے بنی نوع انسان کا معاشرہ سے رشتہ کمزور ہو جاتا ہے مثلاً کسی شخص کی معاشی حالت ایسی ہوگئی کہ معاشرہ میں اس کے لئے ہر ایک کے باز وتنگ ہوگئے ایک شخص کی تربیت دسوچ اس پہنچ پر ڈھل گئی کہ معاشرتی وتہذیبی ورثے اپنی کشش کھو بیٹھے وہ کسی وجہ سے دوسرے لوگوں سے کترا کہ اور الگ الگ سا رہنے لگا ہو یا معاشرتی رسوم ورواج اور اس کے ذہنی ارتقاء میں ہم آہنگی باوجود یہ کہ کوشش نہ ہوسکے۔ بہر حال اس قسم کے تمام ایسے رابطوں میں جہاں کسی انسان کا اپنے گرد وپیش کے ماحول سے گذارا کرنا مشکل ہو جائے خودکشی کے رحجانات کا پنپنا امر ہو جاتا ہے۔[2]

دوسری قسم کی خودکشی کا واسطہ آدمی کے ذہن میں پلنے والی سوچوں سے ہے۔اس کی پسندیدگی کے ضمن میں ایسے عوامل کا نام لیا جاسکتا ہے جن کا تعلق معاشرتی رابطوں سے نہیں بلکہ انسان کی اپنی ذات سے ہو مثلاً کسی آدمی کی آنکھیں دولت کی چمک سے چکا چوند ہو جائیں مگر وہ اپنی سی کوشش کے باوجود حاصل نہ کرسکے کوئی آدمی کسی خوبصورت عورت سے پیار کو بیٹھے مگر وہ اس کی پہنچ سے بہت بالاتر ہو کسی آدمی کے پاس ناجائز ذرائع کے ذریعے بہت سی دولت تو آجائے مگر ذہنی سکون حاصل کرنے میں ناکام ہے۔ والدین اولاد یا بیوی میں سے کسی عزیز ہستی کی موت اس طرح ہو جائے کہ وہ خود کو اس کا ذمہ دار ٹھہرائے طویل بیماری گھریلو ناچاقی وغیرہ بھی ایسے ہی مائل ہیں جن کا براہ راست تعلق انسان کی اپنی ذات سے ہے ان میں سے کسی ایک وجہ سے اعصاب یا ذہن پر دباو بھی خودکشی کی طرف مائل کر سکتا ہے۔[3]

---

[1]Emile Durkheim,Le Suicide: Etude de sociologie,1897

[2]Emile Durkheim, Etude de sociologie,1897

[3]ایضا۔

تیسری اور آخری قسم کی خودکشی کا تعلق کسی فرد یا اس کے گردوپیش کے ماحول سے نہیں بلکہ فرسودہ روایات سیاہ قوانین یا کمزور مذہبی عقیدوں کے لیے بے سر دپا دلائل اس ضمن میں انسانی جانوں کے ضیائع کی بنیاد بنتے ہیں۔ مثلاً بھارت کی قدیم رسم ستی اس کی مثال کے طور پر پیش کی جاسکتی ہے۔ جاپان کے پرانے رواجوں پر مبنی وہاں کی مشہور رسم "ہارا کیری" کا تذکرہ بھی اسی حوالے سے کیا جاسکتا ہے۔ قدیم چین واس کے بعض علاقوں میں ان اشخاص کو از خود موت کے گھاٹ اترنا پڑتا تھا جو معاشرہ کے لئے مفید ثابت نہ ہو سکتے تھے۔ طویل بیماری یا بہت زیادہ عمر پانے کے باعث چونکہ وہ معاشرہ کی کسی خدمت کے اہل نہ رہتے تھے پس موت کا جام منہ سے لگانا پڑتا تھا۔ اسی طرح بعض معاشروں میں یہ بھی رواج تھا کہ اگر بلند معاشرتی مقام رکھنے والے افراد میں میدان جنگ میں زخمی ہو جاتا یا مستقل اپاہج ہو جاتا تو وہ خودکشی کو ترجیح دیتا مالک یا آقا جان دیتا تو اس کے نوکر کو بھی خودکشی کرنا پڑتی تھی یہ رسوم ورواج آج کی ترقی یافتہ دنیا میں موجود نہیں مگر آج بھی بھارت وجاپان کے کسی انتہائی پسماندہ علاقہ یا قبیلہ میں حکومت کی نظروں سے چھپ کر ادا کی جاتی ہیں اور اس طرح کہ ذرائع ابلاغ کو اس کی خبر نہیں ہو پاتی کیونکہ عرصہ قبل ایسی رسوم تقریباً خلاف قانون قرار دی جاچکی ہیں۔

Durkheim کے علاوہ بہت سے ماہرین عمرانیات ونفسیات نے خودکشی کی اقسام ووجوہات پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی ہے مگر انہوں نے تخیلات خواب اور ارادوں کو آپس میں ایسا گڈ مڈ کیا کہ کوئی واضح تصویر نہیں بن پاتی۔ ان میں سے کچھ اصطلاحات اپنے اندر اتنا وسیع مفہوم بھی نہیں رکھتی جس سے موضوع پر سیر حاصل بحث کی جاسکے بہر حال پھر بھی ان کا مختصر تذکرہ یہاں مناسب ہوگا۔[1]

1۔ لمبے عرصے پر محیط خودکشی (CHRONIC SUICIDE)

ایسا فعل جس میں مرنے والا خودکشی تو کرنا چاہتا ہے مگر اس کے لئے دواؤں یا شراب کا سہارا لیا ہے۔ ان اشیا کا استعمال وہ اس فراخدلی سے کرتا ہے کہ بغیر تکلیف یا پیشگی نوٹ کے اپنے خالق حقیقی سے جاملتا ہے اور اسے الگ سے کوئی تردد نہیں کرنا پڑتا۔[2]

2- غیر محتاط خودکشی: (NEGLECT SUICIDE)

ایسے افعال جن میں مرنے والا حقیقی اعداد و شمار کو خاطر میں نہیں لاتا۔ اس طریقے سے خودکشی کرنے والے لوگ اپنے بارے میں تمام تر حقیقتوں سے باخبر ہونے کے باوجود ایسی حرکات کرتے ہیں کہ ان کے مخصوص اعمال کسی کی نظروں میں کھٹکتے بھی نہیں جیسے ذیابیطس یا شوگر کا مریض اگر اپنی خوراک میں شکر کی مقدار کو کنٹرول نہ کرے یا کوئی آدمی ہائی بلڈ پریشر کا مریض ہے مگر وہ اپنی غذا میں سوڈیم کے اجزا کی موجودگی کو پسند کرتا ہے تو ان کی موت معینہ مدت سے قبل ہی ان کی گردن پر تلوار رکھ دیتی ہے۔[3]

---

[1] Emile Durkheim,Le Suicide: Etude de sociologie,1897

[2] ۔ایضا

[3] ۔ایضا

3۔خام ارادہ والی خودکشی:(SUB INTENTIONAL SUICIDE)

ایسے افعال جن میں مرنے والا اپنے آپ کو ایسے کاموں میں مشغول کرلیتا ہے جن سے براہ راست موت کی طلب تو نہیں کرنا پڑتی مگر جلد یا بدیر اسے موت سے ہمکنار ہونا پڑتا ہے۔ مثلاً ایک شخص کو بہت غیر محتاط انداز میں ڈرائیونگ کرنے کی عادت ہے اور اسے سرخ سگنل یا اشاروں سے گذرنے کا شوق بھی ہے یا ایک شخص کشتی رانی کا جنوں اس وقت اٹھے جب سمندر کا موسم بہت خراب ہو۔ان میں سے بعض افراد جلد ہی دوسری دنیا کو سدھارتے ہیں اور بعض کچھ دیر بعد لیکن عملی نقطہ نظر سے ہم اسے خودکشی کہیں گے ان افعال کے نتیجے میں اگر کوئی شخص مستقل موت نہ بھی مرے مگر اپنے جسم کے بعض اعضاء کا نقصان کچھ اس طرح کرلیا ہے کہ اس کی زندگی موت سے بھی بدتر ہو جاتی ہے۔[1]

4-مہلک خودکشی:(SURCEASE SUICIDE)

اس قسم کو پہلے پہل شنیدمین (SHNEIDMAN)نے منظر عام پر پیش کیا ہے جس کی رو سے کوئی شخص اپنے فعل کو قدرتی و منطقی ثابت کرتے ہوئے اپنی زندگی کا خاتمہ کرلیتا ہے۔[2]

کورون نے اس قسم کو(RATIONAL SUICIDE)کا نام بھی دیا ہے۔

اس قسم کے افعال میں خودکشی کے زیادہ تر واقعات ایسے شامل ہوتے ہیں جن میں اشخاص شدید پرانی و لا علاج امراض سے دوچار ہوتے ہوئے روز روز کی تکلیف سے جان چھڑانے کی خاطر اپنے لئے خودکشی کا راستہ پسند کرتے ہیں۔[3]

5-نفسیاتی خودکشی:(PSYCHOTIC SUICID)

خودکشی کی یہ قسم سب سے پہلے برگلو(BERGLER)نے وضع کی جس کی رو سے کسی شخص کی شخصیت جب نفسیاتی لحاظ سے کئی حصوں میں بٹ جاتی ہے تو نہ چاہتے ہوئے بھی ایسی حرکات کر بیٹھتا ہے جس سے وہ موت کے زیادہ قریب ہو جاتا ہے۔[4]

6 جزوی خودکشی:(FOCAL SUICIDE)

اس اصطلاح کو پہلے پہل مینگر نے وضع کیا خودکشی کی اس قسم میں آدمی مکمل طور پر نہیں مرتا اور نہ مرنے کی کوشش کرتا ہے بلکہ وہ اپنے جسم کے کسی حصے سے دست بردار ہوتا ہے مثلاً زنا کے کسی واقعہ میں ملوث ہونے والے مرد و عورت انتہائی شرمندگی کے عالم میں مخصوص اعضا کو نقصان پہنچا سکتے ہیں اور اس ضمن میں زیادہ تر نامرد ہونے کی مثالیں ہی سامنے آتی ہیں۔ کبھی کبھی جسم کے دوسرے حصوں

---

[1]۔رفیق غازی سیالکوٹ،خودکشی،اردو اکیڈمی لاہور، صفحہ:214

[2] Psycho-Logics" **by E.S.SHNEIDMAN, Thomas Publishers**, Springfield; 111, 1960

[3]**"Suicide"** by J.Choron, Ch.Scribner & Sons, New York; 1972

[4]**"Problems of Suicide"** by E. Bergler, Psychiatric (Qtrly); 20, USA, 1946.

کے نقصان کی اطلاعات بھی مل جاتی ہیں ۔ جب کوئی خاص وجہ سامنے نہ ہو اور آدمی مکمل طور پر مرنا بھی نہ چاہے تو پھر جان بوجھ کر ڈرائیونگ کا حادثہ بھی ہو سکتا ہے تاکہ جسم کے کسی حصہ کا نقصان ضرور ہو۔ لیکن کسی حصے کا نقصان ہو گا اس کا انحصار حادثہ کی نوعیت پر ہو گا[1]

7۔خودکار خودکشی:ATOMATIZATION SUICIDE

خودکشی کی یہ قسم سب سے پہلے لانگ(LONG)نے وضع کی۔اس فہرست میں پیش کئے جانے والے افعال میں کوئی شخص شدید صدمہ کی صورت میں یا انتہائی نفسیاتی دباؤ قبول کرتے ہوئے کسی نشہ آور شے کا سہارا لیتا ہے ممکن ہے اس کی نیت مرنے کی نہ ہو مگر وہ خود کو سکون بہم پہنچانے کی خاطر اس درجہ منشیات یا سکون آور دواؤں کا استعمال کرتا ہے ؟اس کی طاقت یا برداشت سے بالاتر ہوتی ہیں۔ بعض اوقات کئی دواؤں کا بیک وقت استعمال کرتا ہے یا شراب کا سہارا لیتا ہے اور پھر زیادہ خوراک کی وجہ سے ہی پہلے سے موت کے منہ میں چلا جاتا ہے اس قسم کی موت اکثر اوقات بعد میں حادثاتی رنگ لئے ظاہر ہوتی ہے۔ہالی وڈ کی مشہور اداکارہ مارلن منرو کی موت بھی اسی طرح ہوئی تھی اس نے مرنے سے قبل نشہ آور دواؤں کا استعمال ایک دم زیادہ کر دیا اس کی موت کو بھی حادثہ کہا گیا تھا۔

خودکشی کی یہ قسم اول نمبر خودکشی سے ملتی جلتی ہے مگر صرف فرق اتنا ہے کہ اس خودکشی میں آدمی کو مرنا پسند نہیں ہوتا اور وہ صرف سکون کی تلاش میں ان نشہ آور کا استعمال کرتا ہے جبکہ اول الذکر خودکشی میں مرنے کی خاطر ان ادویات کی مقدار بڑھائی جاتی ہے۔[2]

8-حادثاتی خودکشی:(ACCIDENTAL SUICIDE

خودکشی کی اس قسم میں کسی شخص کے لئے غلط اطلاع لاعلمی یا وقت کا غلط اندازہ بہت اہمیت رکھتے ہیں اور بنیادی وجوہات فراہم کرتے ہیں ان حالات میں کی جانے والی خودکشی یا حاصل کی جانے والی موت اصل میں خودکشی نہیں بلکہ غلطی یا غلط سمجھ بوجھ کے نتیجے میں کیا جانے والا فعل ہو سکتا ہے۔ مثلاً ایک شخص سرکس کے مظاہرے میں یا ڈرامے میں خالی پستول کے ساتھ خودکشی کے کرتب دکھاتا ہے لیکن ایک دن اس کو خالی پستول کی جگہ بھرا ہوا پستول دے دیا جاتا ہے یہ فعل قتل یا حادثہ تو ہو سکتا ہے لیکن خودکشی نہیں کہلا سکتا۔ یا کسی شخص کو ایک بندوق کا معائنہ کرنے کے لئے کہا جائے وہ اس کو خالی خیال کرتے ہوئے یونہی اپنے شوق کی تکمیل کی خاطر اس کی نالیوں میں جھانکتا ہے اچانک لیور پر ہاتھ لگ جانے کی وجہ سے گولی اس کی آنکھوں کے راستے دماغ سے پار ہو جاتی ہے۔[3]

9۔اپنی موجودگی کے فلسفہ پر مبنی خودکشیEXISTENTIAL SUICIDE

اس قسم کی خودکشی ک واقعات کو پہلے پہل کیمس(CAMUS)نے حقیقی رنگ میں پیش کیا۔اس کے فلسفہ کی رو سے جب زندگی میں بوریت زیادہ ہو جائے زندگی میں ترقی و خوشحالی کے لئے امنگ ختم ہونے لگے زندگی بے معنی سی چیز نظر آئے تو پھر کچھ لوگ موت کو زندگی سے بہتر خیال کرنے لگتے ہیں۔کیتھولک پادریوں کے نزدیک یہ خطرناک امر ہے کہ زندگی بے معنی سی محسوس ہونے لگے کیونکہ اس طرح انسان خودکشی کے بارے میں سوچنے لگتا ہے۔اس فعل سے رغبت رکھنے والوں میں زیادہ تر نام نہاد دانشور ہوتے ہیں۔[4]

---

[1]۔**"Man against himself"** by K. Menninger, Harcourt, Brace & Co.New York, 1938

[2]**"Barbiturates, Automatization & Suicide"** by R.H.Long, Insurance Council Journal U.S.A., 1959

[3]۔رفیق غازی سیالکوٹ،خودکشی،اردو اکیڈمی لاہور، صفحہ 204

[4] **"The Myth of Sisphus"** by A.Camus (Trans) Hanmish Hamilton, London, 1945

10۔خودکشی بذریعہ قتل:SUICIDE BY MURDER

اس نقطہ نظر کو پہلے پہل وولف گینگ WOLFGANG نے اپنے مطالعہ کے دوران پیش کیا اس میں مرنے والا عام خودکشی کے افعال کو بزدلی خیال کرتا ہے پس اس کے لئے وہ خاص قسم کے طریقہ کو رواج دینے کی منصوبہ بندی کرتا ہے۔خود کو بہت حد تک جذباتی کرلیتا ہے اور پھر موت کا راستہ اپنالیتا ہے ایسے افعال کو محتاط انداز میں قتل کہا جاسکتا ہے کیونکہ اس کے پس پردہ خاص وجہ نہیں ہوتی ۔یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ عام لوگ خودکشی کی تعریف میں صرف وہی افعال شامل کرتے ہیں جن سے کسی کی موت یقینی ہو جائے یا کم از کم یقینی امکان ہو اور اس میں وہ فصل شامل نہیں کرتے جو فوری طور پر تو نہیں مگر کچھ دیر میں انسان کو موت کے گڑھے میں گھسیٹ کر لے جاتے ہیں یعنی انسان یکدم جان نہیں دیتا بلکہ ریزہ ریزہ ہو کر مرتا ہے اور اسطرح کہ دیکھنے والوں کو وہ موت قدرتی محسوس ہوتی ہے جو در حقیقت قدرتی نہیں ہوتی بلکہ خودکشی کی اوپر بیان کی گئی قسموں میں سے ایک ہوتی ہے۔[1]

اب تک جو اقسام زیر بحث لائی گئی ہیں وہ مختلف ماہرین کے زور قلم کا نتیجہ تھیں اس کے علاوہ بعض لوگوں نے خودکشی کے تمام افعال کو خاص خاص طریقوں سے اقسام میں باٹنے کی کوششیں کی ہیں۔

ڈارپیٹDORPEاور بوسیلBOSWELLکی نظر میں خودکشی:

ڈارپیٹDORPEاور بوسیل BOSWELLنامی ماہرین خودکشی نے خودکشی کے عمل کو چار ادوار میں تقسیم کرنے کا فلسفہ پیش کیا ہے۔[2]

- **خودکشی کے لئے حرکت یا اشارہ:(SUICIDE GESTURE)**
- **خودکشی کی تیاری یا ہلکی کوشش:(AMBIVALENT SUICIDE ATTEMPT)**
- **خودکشی کی بھرپور کوشش: (SERIOUS ATTEMT)**
- **مکمل خودکشی: (COMPLETED SUICIDE)**

اسی طرح ایک ماہر علوم خودکشی "پورٹر فیلد"(PORTFIELD)نے خودکشی کی مندرجہ ذیل اقسام وضع کر کے اس علم کو وسعت دینے کی کوشش کی ہے۔[3]

---

[1]"Suicide by means of Victim Precipitated Homicide"by M.E.Wolfgang, **Journal of Clinical & Experimental Psychopathology** ,1959, USA

[2]"**An evolution of Suicidal Intent in Suicide attempt**" by T.L.Dorpet & J.Boswell, Comprehensive Psychiatry ,1963, USA

[3] -**The Problem of Suicide**"by A. L. Portfield, Harper & Row Publishers Inc. New York, 1968

1۔باعزت خودکشی: (HONOUR SUICIDE)

خودکشی کی اس قسم کی فہرست میں مرنے والا اپنے گردوپیش میں خود کو قابل عزت و باوقار ثابت کرنے کے لئے اپنی جان گنوانے کا فعل سرانجام دیتا ہے اوراس لئے بھی کہ اس کے خاندان کی عزت وتوقیر برقرار رہے یااس کو چاند لگ جائیں۔

2۔قابل رحم وقابل نفرت خودکشی(MISERY SUICIDE)

اس قسم میں وہ افعال شامل ہوتے ہیں جن میں مرنے والا انتہائی کسمپرسی کے عالم میں جان دیتا ہے خواہ وہ طویل ولاعلاج بیماری کے سلسلے میں ہو یاانتہائی غربت کی وجہ سے ہو یااپنی کسی غلطی کے ازالہ کے طور پر ہو۔

3۔جذبہ ایثاروقربانی سے بھرپور خودکشی:(SACRIFICIAL SUICIDE)

اس ضمن میں وہ واقعات بیان کئے جاسکتے ہیں جن میں مرنے والے نے دوسرے شخص کی عزت یاجان بچانے کی خاطر خودکشی کی۔

4۔خودکشی برائے حب الوطنی:(PATRIOTIC SUICIDE)

اس فہرست میں وہ واقعات رکھے جاسکتے ہیں جن میں مرنے والے نے اپنے وطن علاقہ یاریاست کی آن کی خاطر خودکشی کی ہو۔ اپنے علاقہ کی مخصوص مذہبی یاعلاقائی رسومات کی خاطر جان دینا بھی اسی موضوع کے تحت زیر بحث آئے گا۔

ایک اور ماہر علوم خودکشی "فیڈن"(FEDDEN) کے نزدیک خودکشی صرف دو ہی فہرستوں میں تقسیم کی جاسکتی ہے[1]۔

5روایاتی اصولی یاآئینی خودکشی(INSTITUTIONAL SUICIDE)

خودکشی کی اس قسم میں ایسے افعال شامل کئے جاسکتے ہیں جن میں مرنے والے اپنی علاقائی روایتوں بندھنوں یارسومات کے زیر اثر رہ کر اپنی جانیں جان آفریں کے سپرد کرتے ہیں مثلاًقدیم ہندوستان میں 'ستی' کی رسم میں بیوی کو خاوند کی چتا میں جل کر مرنا پڑتا تھا۔اس طرح قدیم جاپان میں ہیرا کیری رسم روم ویونان میں جنگ میں شکست کھانے کے بعد مرجانا بھی اس زمرے میں زیر بحث لائی جاسکتی ہیں۔[2]

2 ذاتی یانجی خودکشی:(PERSONAL SUICIDE)

اس عنوان کے تحت اوپر بیان کئے گئے واقعات کے علاوہ باقی تمام اقسام کے افعال شامل کئے جاسکتے ہیں جن میں مرنے والے اپنی مرضی سے اپنے آپ کو ملک الموت کے حوالے کردیں خواہ اس کی وجوہات کے پس منظر میں نفسیاتی عارضے ہوں غربت وتنگدستی ہو یا بیماری ہو یاکاروبار میں نقصان ہو۔سوافیڈن کی اس درجہ بندی میں اصولی آئینی یاروایاتی خودکشی کو زیر بحث لاتے ہوئے کبھی کبھی یہ شک ضرور گزرے گا کہ ایسے حالت میں آدمی کو مجبور کیاجاسکتا ہے کہ وہ خودکشی کرے یاوہ خود ہی اپنی اندرونی طاقتوں سے مرعوب ہو کر خودکشی

---

[1] -**"Suicide-A Social & Historical Study"** by H.R.Fedden, Peter Davies; London 1938

[2] Emile Durkheim,Le Suicide: Etude de sociologie,1897

کرتا ہے۔ تمام ماہرین کا خیال ہے کہ بسا اوقات بعض جگھوں پر ان رسومات کی اخلاقی طاقت اتنی میران ہوتی ہے کہ آدمی کو خودکشی کے فعل کے سوا کوئی دوسرا راستہ نہیں سوجھتا۔ وہ ایک غیر مرئی طاقت کے زیر اثر کام کرتا محسوس ہوتا ہے۔ یہ قیاس بھی کیا جا سکتا ہے کہ ایسی جان لیوا رسموں یا روایتوں کے منتظمین کو اس ملک کے قانون کے مطابق قتل جیسے سنگین جرم کی مد میں عدالت کے سپرد کیا جاتا ہوگا۔ اگر صدیوں قبل جب یہ رسوم عروج پر تھیں اس وقت بھی چند ایک احباب ایسے ضرور مل جاتے تھے جو واضح یا خفیہ طور پر ان کو غیر انسانی فعل قرار دیتے تھے یہ اور بات کہ ان کی آواز اس وقت کے ایوان بالا کی دیواروں سے ٹکرا کر واپس آجاتی ہو بہر حال رسوم ورواج کے نتیجے میں ہونے والی انسانی موتوں کو قدیم یونان کے شاہی کھیل سے بالکل الگ دیکھنا ہوگا کیونکہ اول الذکر میں مرنے والے کو زبردستی موت کے منہ میں دھکیلا جاتا تھا بلکہ ان کی تربیت ہی ان خطوط پر ہوتی تھی کہ وقت آنے پر از خود اسے یہ مظاہر کرنا پڑتا تھا وگرنہ ان کو یہ خوف یا وہم رہتا تھا کہ معاشرہ کی طرف سے ٹھکرا نہ دیا جائے۔ سماجی واجتماعی دباؤ کی شدت اس قدر ہوتی تھی کہ آدمی بھوکا پیاسا یا نفرت زندہ رہنے سے مر جانا بہتر خیال کرتا تھا جبکہ ثانی الذکر میں شاہی کارندے آدمی کو زبر ستی پکڑ کر درندوں کے سامنے بھجواتے تھے تاکہ بادشاہ سلامت محفوظ ہو سکیں۔

فصل سوم: خودکشی کی روک تھام کے بارے میں اسلامی تعلیمات

شریعت کی روشنی میں خودکشی کی حرمت کے اسباب دراصل انسان کی زندگی اور اس کا جسم حقیقت میں اس کی اپنی ملکیت نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی امانت ہے۔ انسان جینے اور مرنے میں اللہ تعالیٰ کی مرضی کے محتاج ہے۔ نہ اپنی مرضی سے اس دنیا میں آیا ہے نہ اس دنیا سے رخصت ہونے میں اس کی مرضی شامل ہے۔ انسانی زندگی اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو نعمتوں سے قائد واٹھانے اور انسان کو اپنی بندگی کے لیے پیدا کیا ہے۔ زندگی اور موت کا حقیقی مالک تو اللہ ہی ہے۔ انسان پر لازم ہے کہ اللہ کے احکامات کی پیروی کرے۔ انسان پیدائش سے لیکر موت تک مختلف ادوار سے گزرتا ہے۔ کبھی خوشیوں سے اس کا دامن بھر جاتا ہے تو کبھی غم مقدر کا حصہ بن جاتی ہے۔ یہ تو کفران نعمت اور بزدلی ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو بھول کر اس کے احکامات کو چھوڑ کر دنیا کی پریشانیوں کا سامنا کرنے کے بجائے خودکشی کا راستہ اختیار کرے۔ خودکشی کرنے سے تو انسان دنیا کے مصائب سے تو چھٹکارا پائے گا لیکن آخرت کی ابدی زندگی میں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے دوچار اور اللہ تعالیٰ کے غضب میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اس دنیا میں آنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے انسان کو رفتہ رفتہ ایک حالت سے دوسری حالت میں اس طرح منتقل کیا کہ انسان کامل بن گیا اور اللہ تعالیٰ نے انسان کو ان گنت نعمتوں سے نوازا سماعت وبصارت فہم وفراست علم ومعرفت قدرت وصلاحیت اور مال ودولت غرض لامتناہی بے شمار نعمتوں سے انسان کو سر سے پیر تک ڈھانک دیا۔

خودکشی کے بارے میں قرآنی تعلیمات:

اپنے پاک کلام میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَتَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا إِنَّ الْإِنْسَانَ لَظَلُومٌ كَفَّارٌ[1]

اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنے لگو تو شمار (بھی) نہیں کر سکتے۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان بہت بے انصاف بڑا ناشکرا ہے۔

پھر چاروں طرف اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور رعنائیوں میں گھرے رہنے کے باوجود انسان کے لیے یہ مناسب نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بغاوت اور ناشکری کر کے اپنے آپ کو اپنے ہی ہاتھ سے موت کے گھاٹ اتار دے اگر کوئی شخص دنیا کی ناکامیوں اور پریشانیوں سے دوچار ہو کر یہ اقدام کرتا ہے تو اس کے سارے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہوگا۔

---

[1] ۔ابراہیم:14

اس لیے اسلام نے جسم و جان کی حفاظت کے لیے معاشرہ کے تمام افراد کو حکم دیتے ہوئے اس امر کا پابند کیا ہے کہ وہ بہر صورت زندگی کی حفاظت کریں۔اور اسلام نے ان تمام اسباب و موانعات کے تدارک پر مبنی تعلیمات اس لیے دی ہے کہ انسان پوری حفاظت و توانائی کے ساتھ کارخانہ قدرت میں کار آمد رہے۔یہی وجہ ہے اسلام میں خودکشی(suicide) کو حرام قرار دیا ہے۔اسلام کسی انسان کو خود اپنی جان تلف کرنے کی ہرگز اجازت نہیں دیتا جس طرح کسی دوسرے کو موت کے گھاٹ اتار دینا پوری انسانیت کو قتل کرنے کے مترادف ہے اسی طرح اسے بلاوجہ ختم کرنا بھی اللہ تعالی کے ہاں ناپسندیدہ عمل ہے۔چنانچہ ارشاد باری تعالی ہے:

وَ اَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ لَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ وَ اَحْسِنُوْا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ [1]

اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے ہاتھوں خود کو ہلاکت میں نہ ڈالو اور نیکی کرو بیشک اللہ نیکی کرنے والوں سے محبت فرماتا ہے۔

قرآن کریم میں ایک اور جگہ ارشاد باری تعالی ہے:

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ وَ لَا تَقْتُلُوْا اَنْفُسَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا [2]

اے ایمان والو! باطل طریقے سے آپس میں ایک دوسرے کے مال نہ کھاؤالبتہ یہ (ہو) کہ تمہاری باہمی رضامندی سے تجارت ہو اور اپنی جانوں کو قتل نہ کرو۔بیشک اللہ تم پر مہربان ہے۔

امام رازی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

يَدُلُّ عَلَى النَّهْيِ عَنْ قَتْلِ غَيْرِهِ وَعَنْ قَتْلِ نَفْسِهِ بِالبَاطِلِ[3]

یہ آیت شریفہ کسی شخص کو قتل کرنے اور اپنے آپ کو قتل کرنے کی ممانعت پر دلالت کرتی ہے امام بغوی اپنی تفسیر معالم التنزیل اور حافظ ابن کثیر نے تفسیر القرآن العظیم میں مذکورہ بالا آیت مبارکہ کے تحت خودکشی کی حرمت پر احادیث مبارکہ درج کی ہیں۔[4]

قرآن کریم کی اس آیت کی تشریح میں حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی لکھتے ہیں کہ:

---

[1]۔البقرہ:195

[2]۔النساء:29

[3]۔امام رازی، فخر الدین، **التفسیر الکبیر**، مکتبہ فیصل دیوبند، جلد:1، صفحہ:57

[4]۔بغوی، حسین ابن مسعود، **معالم التنزیل**، دار ابن حزم، جلد:1، صفحہ:418

دوسرے کی جان لینے کواپنے آپ کو قتل کرنے سے تعبیر کر کے اس طرف بھی اشارہ ہوگیا کہ دوسرے کو قتل کرنابلآخراپنے آپ ہی کو قتل کرنا ہے۔ کیونکہ اس کے بدلے میں خود قاتل ہی قتل ہو سکتا ہے اگر یہاں مقتل نہ بھی ہو توآخرت میں جو سزا ملتی ہے اور موت سے بد تر ہو گی۔اس طرح اس تعبیر سے خود کشی کی ممانعت بھی ہوگئی۔[1]

اسلام نے موت کی دعا کرنے کی بھی ممانعت کی ہے تو پھر کیسے ممکن ہے کہ خود کشی کی اجازت دیدے خود کشی تو در کنار اسلام مایوسی کو بھی ناپسند کرتا ہے۔ جو اس حرام فعل کی طرف پہلا قدم ہے۔

انسانی جان ومال کی حرمت اللہ رب العزت کے ہاں کعبہ کی حرمت سے بھی زیادہ ہے۔انسانی جان اور انسانی زندگی رب کائنات کا دیا ہوا عطیہ ہے اس کو ختم کرنے کا اختیار بھی انسان کو حاصل نہیں۔موت کا وقت معین ہے اس کے بارے میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے۔

وَ لَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَّا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّ لٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّىۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّ لَا يَسْتَقْدِمُوْنَ [2]

اور اگر اللہ لوگوں کو ان کے ظلم کی بنا پر پکڑ لیتا تو زمین پر کوئی چلنے والا نہ چھوڑتا لیکن وہ انہیں ایک مقررہ مدت تک مہلت دیتا ہے پھر جب ان کی مدت آجائے گی تو وہ نہ ایک گھڑی پیچھے ہٹیں گے اور نہ ہی آگے بڑھیں گے۔

اگر زندگی اور موت اللہ تعالی کے ہاتھوں میں ہیں تو پھر کیوں نہ انسان جلد بازی کے بجائے رب کائنات اور اپنے نبی کی اطاعت میں زندگی گزارے۔ مسلمان ہونے کے ناطے ہمیں یہ حکم ہے کہ جس چیز کا حکم ہمیں اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم دے دیں اس میں اس کی اطاعت کریں اور جس چیز سے ہمیں منع کرلے اسے باز آجائیں اس کے متعلق قرآن کریم میں ارشاد ہے۔

مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ وَ لِذِی الْقُرْبٰى وَ الْیَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِیْنِ وَ ابْنِ السَّبِیْلِۙ كَیْ لَا یَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَیْنَ الْاَغْنِیَآءِ مِنْكُمْ وَ مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُۗ وَ مَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْاۚ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ[3]

اللہ نے اپنے رسول کو شہر والوں سے جو غنیمت دلائی تو وہ اللہ اور رسول کے لیے ہے اور رشتہ داروں کے لیے اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے تاکہ وہ دولت تمہارے مالداروں کے درمیان (ہی) گردش کرنے والی نہ ہو جائے اور رسول جو کچھ تمہیں عطا فرمائیں وہ لے لو اور جس سے تمہیں منع فرمائیں تو تم باز رہو اور اللہ سے ڈرو بیشک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔

---

[1]۔ابن کثیر، محمد ابن کثیر، **تفسیر قرآن العظیم**، اسلامی کتب خانہ لاہور، جلد:1، صفحہ:481

[2]۔النحل:61

[3]۔الحشر:7

خودکشی کے بارے میں نبوی تعلیمات:

انسان کو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی اس امانت کی صحیح دیکھ بھال کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی الاحادیث مبارکہ میں بڑی تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا ہے۔

عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا عَبْدَ اللَّهِ، أَلَمْ أُخْبَرْ أَنَّكَ تَصُومُ النَّهَارَ وَتَقُومُ اللَّيْلَ؟ يَا عَبْدَ اللَّهِ، أَلَمْ أُخْبَرْ أَنَّكَ تَصُومُ النَّهَارَ وَتَقُومُ اللَّيْلَ؟ قَالَ: فَلَا تَفْعَلْ، صُمْ وَأَفْطِرْ، وَقُمْ وَنَمْ، فَإِنَّ لِجَسَدِكَ عَلَيْكَ حَقًّا، وَإِنَّ لِعَيْنَيْكَ عَلَيْكَ حَقًّا[1]

حضرت عمر بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے اللہ کے بندے مجھے اطلاع ملی ہے کہ آپ دن کو روزہ رکھتے ہو اور رات کو قیام کرتے ہو تو میں نے کہا جی ہاں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، پھر آپ نے کلام فرمایا ایسا مت کرو روزے بھی رکھا کرو اور چھوڑ بھی دیا کرو اور قیام بھی کیا کرو اور سویا بھی کرو اس لیے کہ تمہارے جسم کا بھی تم پر حق ہے اور آنکھوں کا بھی تم پر حق ہے۔

اس حدیث مبارکہ سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی انسانی جسم و جان اور ان کے حقوق ادا کرنے تلقین کی ہے۔

خودکشی بزدلی اور کم ہمتی کی دلیل ہے یہ کمزور اور مایوس لوگوں کے لیے زندگی کے مسائل و مشکلات اور آزمائشوں سے راہ فرار اختیار کرنے کا ذریعہ ہے اللہ تعالیٰ کو مالک نہ مان کر اپنی زندگی کو اپنی ملکیت سمجھ کر اپنے ہی ہاتھوں سے ختم کرنے والے کے بارے میں نبی کریم صلی علیم نے ارشاد فرمایا ہے۔

ان قَتَلَ نَفْسَهُ بِحَدِيدَةٍ، فَحَدِيدَتُهُ فِي يَدِهِ، يَتَوَجَّأُ بِهَا فِي بَطْنِهِ، فِي نَارِ جَهَنَّمَ، خَالِدًا مُخَلَّدًا فِيهَا أَبَدًا[2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنے آپ کو کسی لوہے کے ہتھیار سے قتل کرے وہ لوہا اس کے ہاتھ میں ہوگا وہ اس کو اپنے پیٹ میں چبھوتا رہے گا اور جہنم کی آگ میں ہمیشہ جلتا رہے گا۔

حدیث شریف کی رو سے جس نے خود کو جس طرح ہلاک کیا قیامت کے دن وہ دوزخ میں اسی طریقے سے مارا جائے گا۔ حدیث مبارک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: الَّذِي يَطْعَنُ نَفْسَهُ، إِنَّمَا يَطْعَنُهَا فِي النَّارِ، وَالَّذِي يَتَقَحَّمُ فِي نَارٍ، يَتَقَحَّمُ فِيهَا، وَالَّذِي يَخْنُقُ نَفْسَهُ، يَخْنُقُهَا فِي النَّارِ[3]

---

[1]۔ البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح البخاری، مکتبہ رحمانیہ 2012، جلد: 1، صفحہ: 356، حدیث: 1159

[2]۔ البخاری، الجامع الصحیح، ج: 2، حدیث: 5778

[3]۔ البخاری، الجامع الصحیح، ج: 2، حدیث: 5972

حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ تعالیٰ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ: جو شخص کوئی چیز چبا کر ہی جان کو ختم کرلیتا ہے وہ دوزخ میں بھی ہمیشہ اس کو چبا کہ ختم کرتا رہے گا اسی طرح جو شخص کسی گڑھے میں چھلانگ کر اپنے آپ کو ختم کرے گا وہ دوزخ میں بھی ایسا ہی کرتا رہے گا اور جو شخص پھانسی دے کر یا گلہ گھونٹ کر ختم کرے گا وہ دوزخ میں بھی ایسا ہی کرتا رہے گا ایک اور مقام پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کا ارشاد مبارک ہے۔

عَنْ ثَابِتِ بْنِ الضَّحَّاكِ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "مَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ بِشَيْءٍ فِي الدُّنْيَا، عُذِّبَ بِهِ يَوْمَ القِيَامَةِ [1]

ثابت بن الضحاک رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی ﷺ نے فرمایا کہ دنیا میں جو کوئی شخص اپنے آپ کو کسی چیز سے قتل کرے گا قیامت کے دن بھی وہ اسی طرح سزا دیا جائے گا۔
ایک اور جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کا ارشاد مبارک ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: وَمَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ بِحَدِيدَةٍ، فَحَدِيدَتُهُ فِي يَدِهِ، يَتَوَجَّأُ بِهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ، خَالِدًا مُخَلَّدًا فِيهَا أَبَدًا[2]

حضرت ابو ھریرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ م صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنے آپ کو پہاڑ سے گرا کر قتل کرے گا وہ جہنم کے آگ میں گرتا رہے گا اور ہمیشہ کے لئے اس میں رہے گا جو اپنے آپ کو چھری سے قتل کرے گا اس کے ہاتھ میں ہو گا وہ جہنم کی آگ میں اسے اپنے آپ کو مارتا رہے گا اور ہمیشہ کے لئے اسی جہنم میں رہے گا۔

اسلام نے دنیا کو آنے والی زندگی اپنی آخرت کا ضمیمہ قرار دیا ہے انسان کے اس دنیا میں اچھے یا برے عمل کا بدلہ اسے آخرت کی ابدی زندگی میں ضرور مل کر رہے گا اس لئے وہی دنیا و آخرت میں کامیاب و کامران ہو سکتا ہے جس نے رب کا ثبوت دیا دنیا کے نازک ترین لمحات میں اپنے رب کا بندہ ہونے کا ثبوت دیا آخری سانس تک اپنے رب کی اطاعت کی ہر مشکل کا صبر سے مقابلہ کیا اور جلد بازی کی وجہ سے اپنی آخرت کو برباد نہ ہونے دیا ایک مرتبہ جہاد کے موقع پر بے صبری کا مظاہرہ کرنے کی وجہ سے ایک بہادر شخص کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عوام کے ساتھ ایک غزوہ میں بڑی جماعت اور بہادری کا مظاہرہ کیا تھا اور ہر محاذ پر دشمنوں کا مقابلہ کرتا رہا اس کی بہادری کو دیکھ کر ہر طرف سے تحسین و تعریف ہو رہی تھی وہ لڑتے لڑتے شدید زخمی ہو گیا اور زخموں کی تکلیف برداشت نہ کر سکا اس نے اپنے تلوار کی نوک سے اپنے آپ کو قتل کر دیا جب یہ اطلاع نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ، قَالَ فَكَادَ بَعْضُ النَّاسِ أَنْ يَرْتَابَ، فَبَيْنَمَا هُمْ عَلَى ذَلِكَ، إِذْ قِيلَ: إِنَّهُ لَمْ يَمُتْ، وَلَكِنْ بِهِ جِرَاحًا شَدِيدَةً، فَلَمَّا كَانَ مِنَ اللَّيْلِ، لَمْ يَصْبِرْ عَلَى الْجِرَاحِ، فَقَتَلَ نَفْسَهُ،[3]

---

[1] ۔ بخاری، الجامع الصحیح، ج:2، حدیث:1363
[2] ۔ صحیح مسلم، مسلم بن حجاج، صحیح المسلم، مکتبہ رحمانی، 2012، جلد:2، صفحہ:468، حدیث:2285
[3] ۔ صحیح المسلم، جلد:1، صفحہ:106، حدیث:112

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک غزوہ میں موجود تھے آپ کی ٹیم ایک شخص کے متعلق جو اپنے آپ کو مسلمان کہتا تھا فرمایا کہ یہ شخص دوزخ والوں میں سے ہے جب جنگ شروع ہوئی تو وہ شخص مسلمانوں کی طرف سے بڑی بہادری کے ساتھ لڑا اور وہ زخمی بھی ہوگیا۔ رسول اللہ صلی علیم سے کہا گیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے فرمایا تھا کہ وہ دوزخ میں جائے گا۔ آج تو وہ بڑی بہادری کے ساتھ لڑا اور مر بھی گیا ہے آپ میں سے کسی نے اب بھی وہی جواب دیا کہ جہنم میں گیا ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ نے بیان کیا کہ ممکن تھا کہ بعض لوگوں کے دل میں کچھ شبہ پیدا ہو جاتا لیکن ابھی لوگ اسی غور وفکر میں تھے کہ کسی نے بتایا کہ ابھی وہ مرا نہیں ہے البتہ زخم لگا ہے پھر جب رات آئی تو اس نے زخموں کی تاب نہ لاتے آپ کر خودکشی کرلی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جماعت کو اس کی خبر دی گئی تو آپ کی جماعت نے فرمایا اللہ اکبر میں گواہی دیتا ہوں کہ میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال رضی اللہ تعالی عنہ کو حکم دیا اور انہوں نے لوگوں میں اعلان کر دیا کہ جنت میں مسلمانوں کے سوا کوئی اور داخل نہیں ہوگا اور اللہ تعالی بھی اپنے دین کی مدد کسی فاجر شخص سے بھی کرالیتا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا پہلے زمانے میں ایک شخص کے بارے میں بتایا کہ جو زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے چاقو سے اپنا ہاتھ کاٹ دیا جس سے خون بہہ کر وہ شخص مر گیا تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا میرے بندے نے اپنی جان لینے میں جلدی کی لہٰذا میں نے اس پر جنت حرام کردیا۔

ایک اور مقام پر رسول اللہ صلی الله عليه وسلم کا ارشاد ہے۔

اسی طرح بخاری شریف کی ایک اور روایت میں ہے رسول اللہ صلی الله عليه وسلم نے ارشاد فرمایا:

عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَنَا صَاحِبُهُ، قَالَ: فَخَرَجَ مَعَهُ، كُلَّمَا وَقَفَ وَقَفَ مَعَهُ، وَإِذَا أَسْرَعَ أَسْرَعَ مَعَهُ، قَالَ: فَجُرِحَ الرَّجُلُ جِرَاحًا شَدِيدَةً، فَاسْتَعْجَلَ الْمَوْتَ، فَوَضَعَ نَصْلَ سَيْفِهِ بِالْأَرْضِ، وَذُبَابَهُ بَيْنَ ثَدْيَيْهِ، ثُمَّ تَحَامَلَ عَلَى سَيْفِهِ فَقَتَلَ نَفْسَهُ، فَخَرَجَ الرَّجُلُ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ "[1]

سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی الله عليه وسلم کی مشرکین سے جنگ چھڑ گئی پھر جب حضور صلی الله عليه وسلم اپنے پڑاؤ کی طرف واپس ہوئے اور مشرکین اپنے پڑاو کی طرف تو حضور ﷺ کی فوج کے ساتھ ایک شخص تھا لڑائی کے دوران اس کا یہ حال تھا کہ مشرکین کے کسی فرد پر اگر نظر پڑ جاتا تو اس کا پیچھا کر کے وہ شخص اپنی تلوار سے قتل کر دیتا سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ تعالی عنہ نے اس کے متعلق کہا کہ آج جس سرگرمی کے ساتھ فلاں شخص لڑا ہے ہم میں سے کوئی بھی اس طرح نہ لڑ سکا ہوگا حضور صلی الله عليه وسلم نے فرمایا کہ وہ شخص اہل جہنم میں سے ہے مسلمانوں میں سے ایک شخص نے اپنے دل میں کہا اچھا میں اس کا پیچھا کروں گا دیکھو بظاہر مسلمانوں کے ساتھ ہونے کے باوجود آپ نے اسے کیوں دوزخی فرمایا بیان کیا کہ وہ اس کے ساتھ چلے دوسرے دن کی لڑائی میں جب کبھی وہ کھڑا ہوتا تو یہ بھی کھڑے ہو جاتے اور جب وہ تیز چلتا تو یہ بھی اس کے ساتھ تیز چلتے بیان کیا کہ آخر وہ شخص زخمی ہوگیا زخم بڑا گہرا تھا اس لیے اس نے چاہا کہ موت جلدی آجائے اور اپنی تلوار کا پھل زمین پر رکھ کر اس کی دھار کو سینے کے مقابل میں کرلیا اور تلوار پر گر کر اپنی جان دی اور اسی طرح خودکشی کر کے

[1]۔ بخاری، **الجامع الصحیح**، جلد:1، صفحہ:365، حدیث:4202

اسلام کے حکم کے خلاف گیا اب وہ صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ کیا بات ہوئی انہوں نے بیان کیا کہ وہ شخص جس کے متعلق آپ نے فرمایا تھا کہ وہ دوزخی ہے صحابہ پر آپ کا یہ فرمان بڑا شاق گزرا تھا کہ ایسا جانا مجاہد بھی دوزخی ہو سکتا ہے تو پھر ہماری عاقبت کیسی ہو گی میں نے ان سے کہا کہ تم سب لوگوں کی کی طرف سے میں اس کے متعلق تحقیق کرتا ہوں چنانچہ میں اس کے پیچھے ہو لیا اس کے بعد وہ شخص سخت زخمی ہوا اور چاہا کہ موت جلدی آجائے اس لیے اس نے اپنی تلوار کا پھل زمین پر رکھ کر اس کی دھار کو اپنے سینہ کے مقابل میں کر لیا اور اس پر گر کر جان دے دی اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک آدمی زندگی بھر اہل جنتی کی کام کرتا ہے حالانکہ وہ اہل دوزخ میں سے ہوتا ہے کیونکہ آخر میں اسلام سے انحراف کرتا ہے اور ایک آدمی اہل دوزخ کے سے کام کرتا ہے اور حالانکہ وہ اہل جنت میں سے ہوتا ہے کیونکہ زندگی کے آخر میں اسلام کی دولت نصیب ہو جاتی ہے۔ [1]

اسی طرح ایک اور شخص کا واقعہ کی حدیث شریف میں ملتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ رضی اللہ تعالی عنہ اجمعین کو ایک واقعہ بیان کر کے ارشاد فرمایا:

عَنْ جُنْدُبٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: كَانَ فِيمَنْ قَبْلَكُمْ رَجُلٌ بِهِ جُرْحٌ، فَجَزِعَ، فَأَخَذَ سِكِّينًا، فَحَزَّ بِهَا يَدَهُ، فَمَا رَقَأَ الدَّمُ حَتَّى مَاتَ، فَقَالَ اللهُ: بَادَرَنِي عَبْدِي بِنَفْسِهِ، فَحَرَّمْتُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ [2]

حضرت جندب رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے وہ نبی کسی کام سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم سے پہلے جو قومیں گزر چکی ہیں ان میں سے ایک شخص کو زخم لگا اور وہ اس کی تکلیف برداشت نہ کر سکا اور اپنا ہاتھ کاٹ ڈالا اس سے اس قدر خون بہہ گیا کہ وہ شخص مر گیا اس پر اللہ تعالی نے فرمایا میرے بندے نے جلدی کی (قبل اس کے کہ میں اس کی روح قبض کرتا اس نے خود ہی اپنے آپ کو قتل کر دیا۔ لہذا میں نے اس پر جنت حرام کر دی۔

اسی حدیث کے ضمن میں علامہ آلوسی رحمہ اللہ تفسیر روح البیان میں لکھتے ہیں۔

وَكَذٰلِكَ حُكْمُ مَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ لِفَقْرٍ أَوْ لِغَيْرِ ذٰلِكَ مِنَ الْاَسْبَابِ [3]

اسی طرح اگر کوئی محتاجی یا دوسرے اسباب کی وجہ سے اپنے آپ کو قتل کرے تو اس کا بھی یہی حکم ہے۔ انہی احادیث مبارکہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ خودکشی حرام اور انتہائی سنگین جرم ہے دنیا میں کیے گئے ناجائز اعمال کی سزا تو قیامت کے دن انسان کو جہنم میں ملے گی مگر خود کشی کے مرتکب کو اس تکلیف کے عمل سے بار بار گزارا جائے گا گویا یہ دوگنا عذاب قیامت کے دن خود کچھ بندے کی مقدر ہو گی۔

دنیا میں جو لوگ کسی مہلک یا تکلیف دہ مرض کی وجہ سے زندگی کا خاتمہ کرتے ہیں اس کے بارے میں رسول کریم کا ارشاد مبارک ہے۔

---

[1] بخاری، کتاب الجہاد والسیر، باب لا یقول فلان شہید، حدیث نمبر: 2898

[2]۔ بخاری، الجامع الصحیح، کتاب احادیث الانبیاء، باب ماذکر عن بنی اسرائیل، حدیث: 4363

[3]۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، حدیث: 113

عَنْ جُنْدُبٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: كَانَ فِيمَنْ قَبْلَكُمْ رَجُلٌ بِهِ جُرْحٌ، فَجَزِعَ، فَأَخَذَ سِكِّينًا، فَجَزَّ بِهَا يَدَهُ، فَمَا رَقَأَ الدَّمُ حَتَّى مَاتَ، فَقَالَ اللهُ: بَادَرَنِي عَبْدِي بِنَفْسِهِ، فَحَرَّمْتُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ[1]

حضرت جندب رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم سے پہلے امتوں میں سے کسی شخص کے جسم پر ایک پھوڑا نکلا جب اس میں زیادہ تکلیف محسوس ہونے لگی تو اس نے اپنے ترکش سے ایک تیر نکالا اس سے اس پھوڑے کو چیر ڈالا جس سے خون بہنے لگا اور خون نہ رکا اس وجہ سے وہ شخص مر گیا تو تمہارے رب نے فرمایا میں نے اس پر جنت حرام کر دی۔ اسلام اس کی بھی اجازت نہیں دیتا کہ کسی کو کوئی تکلیف یا مرض لاحق ہو جائے تو وہ اس تکلیف سے نجات پانے کے لیے اپنے زندگی کا اپنے ہاتھوں سے خاتمہ کر دے اگر کوئی ایسا کرے گا تو اس کا یہ عمل اس کے لئے باعث جہنم بنے گا۔

[1] ۔ بخاری، **الجامع الصحیح، کتاب أحادیث الأنبیاء**، باب ماذکر عن بنی إسرائیل، حدیث: 3463

خلاصہ

گلگت پاکستان کا ایک خوبصورت اور قدرتی مناظر سے مالا مال علاقہ ہے جو گلگت بلتستان کا صدر مقام ہے۔ یہاں کے لوگ سادہ، محنتی اور مہمان نواز ہیں، تاہم حالیہ برسوں میں نوجوانوں میں ذہنی دباؤ، تعلیمی دباؤ، بے روزگاری اور معاشرتی مسائل کی وجہ سے خودکشی کے واقعات میں اضافہ دیکھا گیا ہے۔

فلاسفر "ایمائل درخائم"(Émile Durkheim) کے مطابق، خودکشی ایک سماجی مظہر ہے جو اس وقت جنم لیتا ہے جب فرد سماجی طور پر تنہائی، کمزور تعلقات یا شدید دباؤ کا شکار ہو۔ گلگت جیسے علاقے میں جب نوجوان خود کو معاشرتی توقعات اور خاندانی دباؤ کے درمیان بے یار و مددگار محسوس کرتے ہیں، تو وہ نا امیدی کا شکار ہو کر خودکشی جیسے انتہائی قدم کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔ اس صورتحال کے تدارک کے لیے ضروری ہے کہ معاشرہ افراد کو تعاون، رہنمائی اور ذہنی سکون فراہم کرے، تاکہ وہ زندگی کی مشکلات کا سامنا بہتر طور پر کر سکیں۔ اسلام میں انسانی جان کو اللہ تعالیٰ کی امانت قرار دیا گیا ہے۔ قرآن و حدیث کی تعلیمات کے مطابق کسی بھی صورت میں اپنی جان لینا سخت گناہ اور حرام فعل ہے۔ خودکشی نہ صرف ایک ناجائز اقدام ہے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر، آزمائش اور رحمت پر عدم اعتماد کا اظہار بھی ہے۔

"وَلَا تَقْتُلُوا أَنفُسَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا"[1]

"اور اپنی جانوں کو قتل نہ کرو، بے شک اللہ تم پر مہربان ہے۔"

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"جس نے خود کو کسی چیز سے ہلاک کیا، وہ قیامت کے دن اسی چیز سے عذاب دیا جائے گا۔"

اسلامی تعلیمات کے مطابق زندگی ایک امتحان ہے اور مشکلات و آزمائشوں پر صبر کرنا مومن کی علامت ہے۔ خودکشی اس امتحان سے فرار کی کوشش اور اللہ کی رضا سے انکار ہے، جس کا انجام دنیا و آخرت میں نقصان ہے۔ لہٰذا، اسلام میں خودکشی حرام، ناقابلِ جواز اور سخت وعید والا عمل ہے، جو اللہ کی رحمت سے مایوسی کی علامت ہے اور مومن کو ہر حال میں صبر، دعا، اور امید کے دامن کو تھامے رکھنے کی تلقین کی گئی ہے۔

[1]۔ النساء:29

باب دوم: گلگت میں خودکشی کے اسباب وعوامل اور خودکشی کی شرح

فصل اول: خودکشی کے نفسیاتی، معاشی اور سماجی اسباب

1- گلگت میں خودکشی کے نفسیاتی اسباب:

انسانی علم کی دو اہم شاخیں جو خودکشی کے مسئلے کا باضابطہ مطالعہ کرتے ہیں ان کو سوشیالوجی اور علم نفسیات کہا جاتا ہے ان کے علاوہ دوسرے شعبے بھی جزوی طور پر اس کا مطالعہ کرتے آرہے ہیں گویا کہ تاریخ میں خودکشی کے واقعات زمانہ قدیم سے ہوتے آرہے ہیں مگر اس پر سائنسی بنیادوں پر کام فرانسیسی سوشیالوجسٹ ایمائل درخائم نے اپنی کتاب Suicide study in Sociology میں کیا۔
اس کتاب کے مطالعے سے گلگت میں پائی جانے والی خودکشی کے واقعات کی توضیح میں کچھ حد تک مدد ملتی ہے تاریخی پس منظر میں خودکشی کا اگر مطالعہ کیا جائے تو یہ امر واضح ہو جاتی ہے تمام انسانی تہذیبوں میں خودکشی کے واقعات پڑھنے کو ملے ہیں ان واقعات کی وجوہات کا کھوج لگانے کی کوشش کی جائے تو وجوہات اس قدر زیادہ ہے جتنا کہ خودکشی کرنے والوں کی تعداد زیادہ ہیں لیکن اکثر خودکشی کی نفسیاتی اسباب میں سے درج ذیل اسباب قابل ذکر ہیں:[1]

1.موڈ کی خرابی: (Mood disorder)

بعض علم نفسیات کے ماہرین کے نزدیک خودکشی حالات وواقعات کی وجہ سے نہیں ہوتی حالات وواقعات کو Final triger سمجھا جاتا ہے اور یہ سمجھا جاتا ہے کہ خودکشی کے لیے پہلے سے ایک تیاری ذہن میں ہوتی ہے اور وہ تیاری موڈ کی خرابی کی وجہ سے ہوتی ہے۔
انسان کی نفسیاتی پہلو کو زندگی کے دوسرے عوامل سے الگ کر کے دیکھنا ایک جزوی طریقہ کار ہوگا کیونکہ انسان کا نفسیاتی وجود زیادہ تر اس کی معاشرتی تجربات، محسوسات، مسائل اور ترجیحات سے تشکیل پاتی ہے اس لیے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ایک فرد کی Psychological Makeup ان تمام چیزوں سے بنتی ہیں جو کہ وہ معاشرے کا حصہ ہوتے ہوئے تجربہ کرتا ہے مثال کے طور پر موڈ کا خراب ہونا اور کئی قسم کے نفسیاتی مسائل جن کا ذکر International Classifiction of Disorders میں کیا گیا ہے ان میں کافی مسائل فرد کے معاشرتی میلانات اور تجربات سے وجود میں آتی ہیں اس لیے خودکشی کی وجہ موڈ کی خرابی ہو یا اور کوئی، کسی بھی صورت میں نفسیاتی پہلو کو معاشرتی عوامل سے الگ کر کے دیکھنا ایک سطحی کام ہوگا۔ تاہم نفسیاتی اعتبار سے اگر خودکشی کو دیکھا جائے تو اس کی سب سے بڑی وجہ موڈ کی خرابی کو سمجھا جاتا ہے جسے Mode disorder کہتے ہیں اگر یہ مسلسل رہے تو ڈپریشن کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔[2]

---

[1] ۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، **اسلام اور جدید معاشی نظام**، اسلامک پبلی کیشنز (پرائیوٹ) لمیٹڈ، منصورہ ملتان روڈ، لاہور، صفحہ: 51

[2] ۔ ڈاکٹر حسین محی الدین، **غصہ اور ڈپریشن**، منہاج القرآن انٹرنیشنل، صفحہ 223

2.ڈپریشن

ڈپریشن ایک ذہنی بیماری ہے ماہرین کے مطابق تقریباً پچیس فیصد افراد ذہنی دباؤ ڈپریشن یا کسی اور دماغی بیماری سے دوچار رہے ہیں ڈپریشن کو مختلف بیماریوں کا مجموعہ بھی کہا جاتا ہے یہ ایک ایسی بیماری ہے جو آہستہ آہستہ انسان کو اپنے شکنجے میں جکڑ لیتی ہے ڈپریشن کا آخری مرحلہ خودکشی ہے ڈپریشن پیدا کرنے والے عوامل معاشی بھی ہو سکتے ہیں اور معاشرتی بھی، وہ داخلی بھی ہو سکتے ہیں اور خارجی بھی اندرونی جسمانی کیفیت کی وجہ سے بھی ڈپریشن ہو سکتا ہے اور بیرونی وجوہات سے بھی۔[1]

3.احساس محرومی:

ایک اور وجہ جو نفسیاتی اعتبار سے خودکشی کا رجحان پیدا کرتے ہیں وہ انسان کے اندر احساس محرومی کا پیدا ہوتا ہے بعض افراد میں خوداعتمادی کی کمی ہوتی ہے وہ اپنے آپ کو حقیر سمجھنے لگتے ہیں اور اپنی شخصیت کے بارے میں احساس کمتری کا شکار ہوتے ہیں ایسے افراد میں بھی خودکشی کا رجحان پایا جاتا ہے۔[2]

4.۔مایوسی:

مایوسی اس ذہنی یا نفسیاتی کیفیت کا نام ہے جس کی وجہ سے انسان محسوس کرتا ہے کہ وہ تکلیف دہ صورت حال یا پریشان کن مسئلہ سے دوچار ہے نہ اس مسئلے سے نکلنے کا کوئی امکان ہے اور نہ کوئی امید ایسے انسان کو جب سب کچھ اسی کی منشا اور مرضی کے مطابق نہیں ملتا ہے تو وہ مایوس اور ناامید ہو جاتا ہے وہ جب کچھ حاصل کرنے کے لیے دعائیں مانگ مانگ کر اور محنت کر کے تھک جاتا ہے تو اسی تھکن کی وجہ سے وہ مایوسی کے اندھیرے میں اپنے وجود اور یقین اور امید سب کچھ کھو دیتا ہے۔

معروف انگریزی لغت میں اس کی تعریف یوں کی گئی ہے۔

Depair the complete lose our absence of hope the feeling that there is no -hope and that you can do nothing to improve a difficult or worrying situation[3]

بعض افراد پر مایوسی کے اس احساس کا غلبہ اتنا شدید ہوتا ہے کہ وہ خودکشی جیسے سنگین اقدام کر بیٹھتے ہیں۔

گلگت میں حالیہ برسوں کے دوران خودکشی کے بڑھتے ہوئے واقعات ماہرینِ نفسیات کے مطابق زیادہ تر موڈ کی خرابی، ڈپریشن، ذہنی دباؤ اور معاشرتی مسائل سے جُڑے ہیں۔ گلگت جیسے خوبصورت مگر نسبتاً پسماندہ علاقے میں تعلیمی دباؤ، معاشی مشکلات، گھریلو جھگڑے، سماجی دباؤ اور مناسب ذہنی صحت کی سہولیات کی کمی نوجوانوں میں ذہنی تناؤ کو بڑھا دیتی ہے۔ نتیجتاً بعض افراد مایوسی اور ذہنی دباؤ کی شدت میں آ کر اپنی زندگی کا خاتمہ کر لیتے ہیں۔ لہٰذا گلگت کے تناظر میں یہ بات واضح ہے کہ موڈ کی خرابی اور ذہنی صحت کے مسائل خودکشی کے بنیادی عوامل میں شامل ہیں، جن کے سدباب کے لیے فوری طور پر آگاہی، ذہنی صحت کی سہولتوں کی فراہمی اور معاشرتی سطح پر تعاون کی ضرورت ہے۔

---

[1] ۔ڈاکٹر حسین محی الدین، **غصہ اور ڈپریشن**، منہاج القرآن انٹرنیشنل، صفحہ 223

[2] ۔ایضاً

[3] -Oxford University Press. (https://www.oed.com/

5.تنہاپسندی:

مشہور ماہر نفسیات ڈر خاتم کے نزدیک خودکشی کی ایک بڑی وجہ تنہائی اور گوشہ نشینی بھی ہے وہ لکھتے ہیں۔

The more socially integrated and connected a person is the less likely he or she is tocommit to suicide-As social Integration decreases people are more likely to commit suicide.[1]

لوگوں سے دور رہنا اور تنہاپسندی اختیار کرنا یہ بھی خودکشی کی علامات میں سے ہے۔

گلگت جیسے پہاڑی اور دور دراز علاقوں میں نوجوان اکثر تنہائی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ سماجی روابط کی کمی، دوستوں یا خاندان کے ساتھ بہتر تعلقات نہ ہونے کے باعث وہ مسائل کا سامنا اکیلے کرتے ہیں اور مدد طلب نہیں کرتے، جس کی وجہ سے خودکشی کا خطرہ بڑھ جاتا ہے۔

6۔منفی سوچ:

نفسیاتی اعتبار سے خودکشی کا رجحان پیدا کرنے والے عوامل میں سے ایک منفی سوچ پیدا ہوا ہے ماہر نفسیات کے مطابق جب کسی انسان کے اندر منفی رویہ پیدا ہوتا ہے تو وہ شخص دینی حوالوں سے منفی سوچنا شروع کرتا ہے پہلے وہ اپنی ذات کے بارے میں منفی سوچنا شروع کرتا ہے۔ دوسرا وہ معاشرے کے بارے میں منفی سوچتا ہے تیسرا اور مستقبل کے بارے میں منفی سوچتا ہے یہ تین قسم کے منفی سوچ جن کو negnitive Errors کہتے ہیں اگر زیادہ عرصے تک کسی فرد میں رہے تو اس میں خودکشی کا رجحان جنم لیتا ہے۔[2]

مایوسی، ناامیدی اور یہ سوچ کہ مستقبل بہتر نہیں ہوگا، نوجوانوں کو اندر ہی اندر کمزور کر دیتی ہے۔ گلگت میں تعلیم، روزگار اور صحت کی سہولیات کی کمی اس منفی سوچ کو مزید بڑھا دیتی ہے

7۔عدم برداشت:

یہ ایک دماغی کیفیت کا نام ہے جہاں کوئی انسان ہر چیز اور واقعہ کو ایک ہی نظر سے دیکھتا ہے اپنے آپ ہی کو دوست اور سچا سمجھتا ہے انسان کے اندر یہ کیفیت اس حد تک بڑھ جاتی ہے کہ انسان اپنے اور اپنے خیالات و عقائد کے خلاف ہر انسان کو جھوٹا تصور کرتا ہے اور اس میں مبتلا انسان بے چینی، جلد بازی، احساس کمتری اور ذہنی دباؤ کا شکار ہو کر خودکشی جیسے غلط کام کی طرف قدم اٹھاتے ہیں۔

سماجی و گھریلو دباؤ، تعلیمی پریشانی اور چھوٹی باتوں پر برداشت نہ ہونے کی عادت نوجوانوں کو شدید جذباتی ردعمل پر مجبور کر دیتی ہے۔

گلگت میں ایسے کئی کیسز سامنے آئے ہیں جہاں غصے یا وقتی جذبات میں خودکشی کر لی گئی ہے۔

---

[1]-A Study in Sociology, translated by J.A. Spaulding & G. Simpson, The Free Press, 1951

[2] ۔ڈاکٹر رشید احمد، **"نفسیاتی مسائل اور ان کا علاج"**، ادارہ نفسیات، لاہور، صفحہ:176

8۔منشیات کا استعمال:

منشیات اور الکوحل کے عادی افراد اکثر ذہنی طور پر معذور ہو کر خودکشی کی طرف مائل ہو جاتی ہیں گلگت میں منشیات کا استعمال بھی بہت زیادہ ہے اکثر نوجوان طبقہ نشے کی اس بری عادت میں مبتلاء ہونے کی وجہ سے نہ اپنے نشے کی خرچ کو پوری کر سکتے ہیں اور نہ گھر والوں کی اکثر اوقات نشہ نہ ملنے کی وجہ سے معاملہ اس نوبت تک بھی پہنچتی ہے کہ وہ اپنی قیمتی جانوں کو ضائع کرنے سے بھی باز نہیں آتے۔

منشیات ذہنی دباؤ کو وقتی طور پر کم کرتی ہیں لیکن لمبے عرصے میں یہ ڈپریشن اور ذہنی بیماریوں کو بڑھادیتی ہیں۔گلگت کے کئی علاقوں میں منشیات کا استعمال بڑھ رہا ہے، جو نوجوانوں میں خودکشی کے رجحان کو مزید تقویت دیتا ہے۔

9.جان لیوا مرض میں مبتلا ہونا

بعض دفعہ انسان کسی جان لیوا مرض میں مبتلا ہو کر علاج کر کر تھک کر کے علاج معالجے کیلئے وسائل نہ ہونے کی وجہ سے اپنی زندگی سے تنگ آکر اپنے ہی ہاتھوں سے اپنی زندگی کا خاتمہ کر دیتی ہے اس کے علاوہ غصہ یا افسردگی بھی انسانی جان لینے کا سبب بنتی ہے۔

2-گلگت میں خودکشی کے معاشی اسباب:

گلگت جیسے پسماندہ اور دور افتادہ علاقے میں معاشی وسائل کی کمی ایک سنگین مسئلہ ہے۔روزگار کے مواقع محدود، مہنگائی میں اضافہ اور غربت کی شرح بلند ہے جس کے باعث نوجوان اور گھرانے شدید مالی دباؤ کا شکار ہیں۔معاشی مشکلات کی وجہ سے تعلیمی تسلسل رک جانا اور بنیادی ضروریات پوری نہ ہونا مایوسی اور ذہنی دباؤ کو بڑھاتا ہے۔یہی معاشی دباؤ اکثر افراد کو ایسے انتہائی قدم یعنی خودکشی پر مجبور کر دیتا ہے۔اس طرح ہمارے معاشرے میں خودکشی کی ایک اہم وجہ معاشرے میں بڑھتی ہوئی اقتصادی مسائل بھی ہیں ان مسائل میں سے چند ایک قابل ذکر ہیں۔

1۔غربت اور مہنگائی:

آج کل کے نوجوانوں میں خودکشی کی ایک اہم وجہ غربت اور مہنگائی ہے غربت اور مہنگائی کی وجہ سے انسانوں کے اندر سے اخلاقیات کا جنازہ نکل گیا ہے حرص وہوس نے انسانوں کے دلوں سے محبت واخوت ہمدردی اور ایثار کا جذبہ ختم کر دیا ہے غربت کی وجہ سے انسانی زندگی سے خوشی اور سکون ختم ہو گئی ہیں اگر انسان کے پاس اپنی ضروریات پورا کرنے کے لیے ماحول اور وسائل نہ ہوں تو خوشحال زندگی کسی دیوانے کا خواب معلوم ہوتی ہے غربت اور مہنگائی کی وجہ سے غریب لوگوں کو دو وقت کی روٹی بھی مشکل سے میسر ہوتی ہے لوگ اپنے بچوں کو بنیادی تعلیم دینے اور اپنے سامنے درد سے تڑپتے بیمار والدین اور اولاد کے علاج کرانے سے بھی قاصر ہے معاشرے میں بہت سے معصوم بچے ایسے ہیں جن کے ہاتھوں میں قلم اور کتابوں کی بجائے مزدوری کے اوزار ہیں صحت وخوراک کے ساتھ ساتھ تعلیم کا حصول بھی ان بچوں کی پہنچ سے دور ہے کھانے پینے کے اشیاء کی بہتات کے باعث غربت وافلاس کی وجہ سے غریب اور محتاج لوگوں کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوا ہے اس وجہ سے وہ وقت اور اجل سے پہلے ہی اپنے ہاتھوں سے اپنے موت کو دعوت دیتی ہے۔[1]

گلگت میں غربت اور بڑھتی ہوئی مہنگائی کی وجہ سے لوگ اپنی بنیادی ضروریات پوری نہیں کر پاتے۔روزگار کے مواقع محدود ہیں اور مہنگائی سے گھریلو اخراجات پورے کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔یہ معاشی دباؤ افراد میں مایوسی، ذہنی تناؤ اور بے بسی پیدا کرتا ہے، جو بعض اوقات انہیں خودکشی جیسے انتہائی قدم پر مجبور کر دیتا ہے۔

---

[1]-Durkheim, E. (1897). Suicide: A Study in Sociology. P:120

2۔بے روزگاری:

بے روزگاری ہمارے معاشرہ کا ایسا روگ ہے جو مسلسل بے شمار برائیوں اور طرح طرح کے جرائم پھیلنے کا سبب ہے بیروزگاری، بیماری اور مفلسی بھی جڑے ہوئے مسائل ہیں ان تمام مسائل کا اثر ایک طرف تو بے روزگار شخص اور کہنے کے تمام افراد کی جہالت، بدحالی اور مشکلات و پریشانی کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے اور دوسری طرف بے روزگاری کی وجہ سے طرح طرح کی اخلاقی اور سماجی برائیاں بھی پیدا ہوتی ہیں معاشرے میں جہاں بھی عصمت فروشی، بے ایمانی، چوری اور ڈکیتی کے جو واقعات پیش آتے ہیں ان سب کا جائزہ لینے سے پتہ چلتا ہے کہ ان تمام جرائم کا سب سے بڑا سبب بے روزگاری اور مفلسی میں روز بروز بے روزگاری بڑھتی جا رہی ہے ہر طرف لوگ بے روزگاری کا رونا رو رہے ہیں نوجوانوں کے چہرے پر بڑے بڑے تعلیمی اداروں سے پڑھ کر آنے کے بعد بے یقینی اور ناکامی کے اثرات ظاہر ہو رہے ہیں یہ نوجوان ملازمت کے حصول کے لیے در در کی ٹھوکریں کھانے کے باوجود ناکام رہنے کے بعد اپنی ڈگریاں جلانے سے دریغ نہیں کرتیں تو معاشرے میں اس سے بڑھتی ہوئی بے روزگاری کے پیچھے کچھ دنیاوی اسباب بھی ہیں جو انسان کی اپنی لاعلمی اور غلطی کی وجہ سے ہوتی ہے۔[1]

ان میں سے چند اسباب زیر بحث ہیں:

4۔محنت نہ کرنا:

گلگت میں بے روزگاری کے اسباب میں سے ایک سبب یہ ہے کہ بعض لوگ محنت کیے بغیر سب کچھ پالینے کے خواہش مند ہوتے ہے اور وہ کمائی کے لئے ہاتھ پاؤں ہلانا نہیں چاہتے ہے اور ایک دم سے اعلی عہدوں اور اعلی درجوں پر پہنچنا چاہتے ہیں یہ تو انسان کے لئے ایک خواب کی حیثیت رکھتی ہے لہذا کامیابی خوابوں کو چھوڑ کر محنت کرنے میں ہے۔

5۔بڑے فائدے کو ترجیح دینا:

گلگت کے معاشرے میں بے روزگاری کی ایک اور وجہ یہ ہے کہ ہمارے نوجوان اعلی تعلیم اور اعلی ڈگری حاصل کرنے کے دور میں اتنا آگے نکل جاتے ہیں کہ چھوٹے کاروبار اور چھوٹی موٹی ملازمتوں کو اپنی توہین سمجھتے ہیں اور اونچا معیار زندگی کو نصب العین بنا کر بہت سے روزگار کے مواقع ضائع کر دیتے ہیں بعد میں عمر کی حد تک مکمل ہونے پر افسوس اور ندامت سے ہاتھ ملتے رہتے ہیں۔[2]

6۔قرض کے بوجھ میں مبتلا ہونا:

گلگت میں خودکشی کے ان ہی اسباب میں سے ایک سبب قرض کا بوجھ بھی ہے حال ہی میں ایک نوجوان کی قیمتی جان اسی وجہ سے ضائع ہو گئی ہے انسان بے روزگاری اور اپنے کم وسائل کی وجہ سے اپنے بال بچوں اور گھر کے اخراجات برداشت کرنے پر قادر نہیں ہوتا تو مجبوراً دوسروں سے قرضہ لینا پڑتا ہے بعد میں اس کو ادا کرنے کی گنجائش نہ ہونے اور قرض خواہ کے بار بار مطالبہ کرنے کی بنا پر اس کے لئے جینا مشکل ہو جاتا ہے تو وہ اپنی زندگی سے تنگ آ کر اپنی غربت اور بے بسی کی وجہ سے اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔[3]

---

[1]۔مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، **اسلام اور جدید معاشی نظام**، اسلامک پبلی کیشنز (پرائیوٹ) لمیٹڈ، منصورہ ملتان روڈ، لاہور، صفحہ:55

[2]۔ڈاکٹر ناہید قریشی، **مقالہ ایم فل**، جامعہ کراچی، سوشیالوجی ڈیپارٹمنٹ جامعہ کراچی، صفحہ:104

[3]۔علی عباس جلالپوری، **نفسیات انسان**، مکتبہ فنون لاہور، اشاعت:1972، صفحہ:130

گلگت میں روزگار کے مواقع کم ہونے کی وجہ سے نوجوان معاشی طور پر پریشانی اور ذہنی دباؤ کا شکار ہو جاتے ہیں، اور مایوسی انہیں خودکشی پر مجبور کر سکتی ہے۔

گلگت میں خودکشی کے سماجی اسباب :

گلگت میں خودکشی کی ایک اہم وجہ سماجی اسباب میں سماج میں روز افزوں خاندانی جھگڑے حقوق کی پامالی ابھی منافرت بدامنی ظلم و تشدد قتل و غارت گری فتنہ و فساد کے بڑھتے ہوئے واقعات حکومتوں اور سرکاری اداروں میں ناانصافی عوام کے سامنے نامناسب رویہ جہیز اور بے جا مطالبات ناخوشگوار شادیاں تعلیمی دباؤ والدین کی بے جا سختی اور محبت نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کے درمیان بڑھتے ناجائز تعلقات ایسے الجھے ہوئے سماجی مسائل ہیں جو انسانوں کے اندر ذہنی تناؤ پیدا کرتے ہیں ماہرین سماجیات کے نزدیک گھریلو جھگڑے خودکشی کی سب سے بڑی وجہ ہے اس کے علاوہ بھی دور حاضر میں چند ایسے سماجی مسائل ہیں جو نوجوان طبقے میں خودکشی کا سب سے بڑا اور خوفناک سبب ہیں۔

1- سوشل میڈیا:

گلگت میں دور حاضر کے نوجوانوں کے اندر اخلاق رذیلہ پیدا کرنے اور ان کو خودکشی پر مجبور کر کے موت کی آغوش میں دھکیلنے والا ایک اہم چیز سوشل میڈیا ہے جہاں بھی جائیں کوئی بھی محفل ہو ہر شخص اپنے اپنے موبائل میں مصروف دکھائی دیتا ہے۔ مسلسل موبائل کے استعمال سے بھی انسانی اجزاء مثل ہو جاتے ہیں۔اسی سوشل میڈیا نے دنیا کو ایک محلے میں تبدیل کر کے رکھ دیا ہے۔اس میڈیا میں فحاشی و عریانیت ننگا ناچ اور حیا سوز ذرائع ابلاغ ہر گھر اور ہر خاندان کو اپنی لپیٹ میں لیے ہوئے ہیں۔انٹرنیٹ پر ان گنت بے حیا ویب سائٹس موجود ہیں جن تک ہر نوجوان کی رسائی باآسانی ہو جاتی ہے گھر سے لے کر کالج تک کالج سے لے کر بازار تک بے حیائی پر مبنی ماحول کا سامنا ہے۔بے حیائی اور اخلاق باختگی ایک ایسی دیا ہے جو بڑی تیزی کے ساتھ اپنے اثرات دیکھا رہی ہیں جس کی بدولت آج کا نوجوان طبقہ خوف تناؤ اور ذہنی نفسیاتی الجھنوں سے دوچار ہیں۔جب سے انٹرنیٹ موبائل کا حصہ بنا ہے تو یہی موبائل انسانوں کو دیمک کی طرح لگ گئی ہے۔اسی سوشل میڈیا کی وجہ سے انسان اخلاقی طور پر زوال کے عروج تک پہنچ چکا ہے اس کی وجہ سے انسان اندر سے کھوکھلا اور تنہا ہو چکا ہے۔[1]

2۔ مقابلہ آرائی کا رجحان:

دور حاضر میں گلگت کے اندر بھی مقابلہ آرائی کا رجحان ہے اور تعلیم سے روزگار تک کے حصول کے سفر میں انہیں آزمائش سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔والدین اپنے اولاد سے غیر ضروری مطالبات اور خواہشات کی تکمیل چاہتے ہیں۔ایک دوسرے کی دیکھا دیکھی اور ایک دوسرے کو نیچا دکھانے اور برتری کی آس میں اپنی اولاد پر مخصوص شعبہ ہی منتخب کرنے پر زور دیتے ہیں۔وہ بچے کی ذہنی چاہت کسی اور شعبے سے ان کی قلبی میلان کو پس پشت ڈال کر انہیں ڈاکٹر یا انجینیئر بننے پر مجبور کر دیتے ہیں یہی بچہ والدین کی خواہش کی تکمیل کے لیے دن رات محنت مشقت کے بعد میرٹ پر پورا نہیں اترتا تو اندر سے کھوکھلا ہو کر، احساس کمتری میں مبتلا ہو کر خود کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رکھتے ہوئے ندامت کے سمندر میں گر کر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے زندگی کا دیا گل کرنا چاہتے ہیں یہ گھر والوں کی ضد ہی کا نتیجہ ہوتا ہے۔[2]

---

[1]۔ڈاکٹر فرخندہ شبیر، "**خودکشی: ایک سماجی المیہ**" جامعہ پنجاب، لاہور (شعبہ سوشیالوجی)

[2]۔پروفیسر ڈاکٹر محمد امین، "**خودکشی اور اس کے سماجی اسباب**"، ادارہ علوم سماجیات، لاہور، صفحہ: 54

3۔سماجی مدد کی عدم موجودگی:

دور حاضر میں سماجی مدد کی عدم موجودگی لوگوں میں مایوسی پیدا کر رہی ہے مثلاً کوئی شخص انتہائی مایوس بچپن کے حالات اور مسلسل ناکامی جیسے مشکل میں گھرا ہوا ہے اور ان حالات کا مقابلہ نہیں کر سکتا کوئی دوسرا اس کے دکھ درد کو سننے والا بھی نہیں تو یہی شخص حالات کے ہاتھوں مجبور ہو کر خودکشی اختیار کرتا ہے۔

4۔اسلامی تعلیمات سے دوری:

آج کل کے بچوں میں عصری علوم کی کمی نہیں تین چار مضامین میں ماسٹر کر لی ہوتی ہے لیکن دین کی بنیادی تعلیمات سے بالکل خالی ہوتے ہیں اسلامی تعلیمات ہی ایک گھر اور خاندان کو جنت کا نمونہ بنا سکتی ہیں۔اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے افسوس یہ کہ مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ کی بہترین نعمت یعنی قرآن مجید اور دینی علوم کو فراموش کر دیا ہے اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں ارشاد فرماتے ہیں:

هُدًى لِلنَّاسِ[1]

تمام انسانوں کے لیے ہدایت ہے۔

وہ کتاب جو ہماری ہدایت کے لیے رب تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے لیکن دور حاضر کے مسلمانوں نے اپنے رب کے احسان کا بدلہ کچھ اس طرح دیا ہے کہ قرآن کریم جیسی عظمت والی کتاب کو اپنی الماریوں کی زینت بنا رکھا ہے حال یہ ہے کہ مسلمان قرآن کو سمجھنا تو دور کی بات پڑھنے کو بھی حفاظ اور علماء کی ذمہ داری سمجھتے ہیں آج امت کے زوال کا سبب اور طرح طرح کی پریشانیوں اور الجھنوں کا شکار ہونا اسلامی تعلیمات سے دوری کا نتیجہ ہے۔

5۔نفسیاتی بیماری کا علاج نہ کرانا:

گلگت سمیت ہمارے معاشرہ میں نفسیاتی بیماریوں کی طرف توجہ نہیں دی جاتی ہے اور انہیں شرمندگی کا باعث سمجھا جاتا ہے اسی وجہ سے ان بیماریوں کا علاج نہیں کیا جاتا ہے رفتہ رفتہ بیماری اتنی بڑھ جاتی ہے کہ انسان کے پاس اپنی زندگی ختم کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں رہتا اگر ہم اپنے معاشرے سے نفسیاتی امراض کے بارے میں شرم کے تصور کو ختم کر کر دیں تو بہت سے نفسیاتی امراض میں مبتلا افراد کی اقدام خودکشی اور اپنی جان گواہ دینے سے بچ جائے گے اگر کوئی نفسیاتی مریض ہے تو وہ معاشرے کے لوگوں کی پرواہ کیے بغیر اپنا علاج کروائیں تاکہ صحت یاب ہو کر کامیاب زندگی گزار سکیں۔[2]

6۔آبروریزی:

خودکشی کرنے کی ایک وجہ آبروریزی ہے جب کسی نوجوان لڑکی کی ابروریزی ہوتی ہے تو وہ جسمانی، دماغی، اعصابی اور نفسیاتی الجھن، پریشانی اور تکلیف میں مبتلا ہوتی ہیں اپنے آپ کو دنیا کو منہ دکھانے کے قابل نہیں سمجھتے اور اپنے اوپر ڈھائے ہوئے اس ظلم کی وجہ سے شدید اداسی

---

[1]۔آل عمران:4

[2]۔ڈاکٹر سلیم اختر، "**سماجی نفسیات اور خودکشی**"، نیشنل بک فاؤنڈیشن لاہور، صفحہ:122

میں مبتلا ہو کر ڈپریشن کا شکار ہو جاتی ہے اسی ذات کے ساتھ دنیا میں کسی کا سامنا کرنے کے بجائے وہ خودکشی کرنے کو ہی اپنے لیے راہ نجات سمجھتی ہے۔[1]

7۔ طلاق:

طلاق کی وجہ سے خودکشی صرف گلگت میں ہی نہیں بلکہ پوری امتِ مسلمہ کے لیئے ہے۔ طلاق بھی ڈپریشن کی بہت بڑی وجہ ہے۔ طلاق کی وجہ سے بیوی بچے بلکہ پورے خاندان والے متاثر ہوتے ہیں بعض اوقات عورت یا بچوں میں خودکشی کی نوبت بھی آتی ہے جیسا کہ حال ہی میں گلگت میں ایک نوجوان بیٹی کی خودکشی اس وجہ سے واقع ہوئی ہے طلاق کی وجہ سے عورت کے لیے اپنے بچوں سے جدا ہونا اور زندگی کے سفر کی صعوبتوں کو اکیلے سہنا دشوار ہوتا ہے اور وہ زندگی کے میدان میں در در کی ٹھوکریں کھانے کے بجائے خودکشی کو راہ نجات سمجھتی ہے۔[2]

8۔ مشترکہ خاندانی نظام:

مشترکہ خاندانی نظام گویا کہ ایک دوسرے کے لئے درد کی دوا کی حیثیت بھی رکھتی ہے لیکن اس کے کچھ منفی پہلو بھی ہیں جن سے اس کے نقصانات کا اندازہ ہوتا ہے کیونکہ کچھ لوگوں کی مزاج میں تنہا پسندی غالب رہتا ہے جو زیادہ لوگوں کے بیچ میں رہنا پسند نہیں کرتے ایسے حساس طبیعت کے لوگ مشترکہ خاندانی نظام سے تنگ ہو کر خودکشی کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔[3]

9۔ بے اولادی:

اولاد اللہ تعالی کی بہت بڑی نعمت ہے اللہ تعالی کی طرف سے عطا کردہ اس نعمت کے لئے انبیائے کرام نے بھی دعائیں مانگتے تھے اور ہمارے معاشرے میں عام طور پر پورا خاندان اور خاص طور پر عورت کی خواہش ہوتی ہے کہ ان کے ہاں اولاد ہو وہ عورت اولاد کے ساتھ خاندان اور معاشرہ میں اپنے آپ کو مستحکم سمجھتی ہیں اگر اولاد نہ ہو تو وہ اپنے آپ کو غیر محفوظ تصور کرتی ہے اور معاشرہ کے لوگوں اور خاندان والوں کی طرف سے بے اولاد ہونے کا طعنہ برداشت کرتی ہے۔ اور اپنے ناکردہ گناہ کی سزا بھگتی ہے جس کی وجہ سے وہ نفسیاتی طور پر پریشان ہوتی ہے اس نفسیاتی دباؤ کے تحت دو شرعی کام کرنے سے بھی گریز نہیں کرتی۔[4]

10۔ ناپسند کی شادی:

ہمارے معاشرے میں اکثر لوگ مذہبی اور دینی مسائل سے آگاہ نہیں ہیں اس کی ایک صورت اپنے بچوں اور بچیوں کی بے وقت اور اس کی مرضی کے بغیر شادی ہے وہ یہ کہ اتنی چھوٹی عمر میں ان کی شادی کرائی جاتی ہے کہ وہ اس عمر میں شادی اور ازدواجی مسائل سے بالکل بے خبر ہوتے ہیں اس کا نتیجہ خاوند اور بیوی کے درمیان عدم موافقت کا سبب بنتے ہوئے لڑائی جھگڑے کی صورت میں نکلتا ہے۔ جب کہ دوسری صورت اولاد کی

---

[1]۔ اڈاکٹر سلیم اختر، **"سماجی نفسیات اور خودکشی"**، نیشنل بک فاؤنڈیشن لاہور، صفحہ: 122

[2]۔ ڈاکٹر فرزانہ یاسمین، تحقیقی مقالہ، **سماجی نفسیات اور خودکشی** "شعبہ عمرانیات، جامعہ کراچی

[3]۔ ایضاً

[4]۔ ایضاً

مرضی کے بغیر ان کی شادی کرنا ہے وہ یہ کہ خاندانی رسم کا لحاظ کرتے ہوئے ان پر مرضی مسلط کر دیتے ہیں۔ کی شادی میں اولاد کی خوشی کا لحاظ نہیں رکھا جاتا بعد میں یہ رشتہ یا تو طلاق کا سبب بنتی ہے یا دونوں کے درمیان ہمیشہ کی اخلاقیات کی وجہ سے خودکشی تک نوبت آجاتی ہے۔[1]

11۔ جہیز کا مسئلہ:

ہمارے معاشرے میں ایک بڑا مسئلہ جہیز کا بھی ہے ہر والدین کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ وہ اپنی بیٹی کو زیادہ سے زیادہ جہیز دیں تاکہ سسرال جا کر بیٹی کو طعنے نہ سننے پڑیں یہ سوچ کر والدین اپنی زمیں بھی بیچ کر اپنی بیٹی کی رخصتی کرتے ہیں اور اس کو بھاری جہیز دینے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں بعد میں دیوالیہ ہو کر والدین یا بھائی اس طرح کے اقدام اٹھاتے ہیں۔ اگر بیٹی کو جہیز میں کچھ نہ دیا جائے تو معاشرے کے لوگوں اور سسرال والوں کے طعنے سے تنگ آکر بیٹی کسی کی پرواہ کئے بغیر اپنی قیمتی جان سے ہاتھ دو بیٹھتی ہے۔[2]

---

[1] ۔پروفیسر ڈاکٹر محمد امین، "**خودکشی اور اس کے سماجی اسباب**"، ادارہ علوم سماجیات، لاہور

[2] ۔ایضاً

فصل دوم: اسلامی معاشرے میں خودکشی کے عوامل

اسلامی معاشرہ ظاہری طور پر روحانیت، اخلاقیات اور شریعت کے سنہری اصولوں کا حامل ایک فکری واعتقادی نظام کہلاتا ہے جس کی بنیاد قرآن وسنت پر ہے۔ یہ معاشرہ فرد کی زندگی کو صرف مادی پہلو سے نہیں بلکہ روحانی، اخلاقی اور اجتماعی جہتوں سے بھی دیکھتا ہے۔ تاہم یہ حقیقت اپنی جگہ باعثِ تشویش ہے کہ عصرِ حاضر میں اسلامی تشخص رکھنے والے معاشرے بھی خودکشی جیسے سنگین والم ناک سماجی مسئلے سے محفوظ نہیں۔ ان معاشروں میں خودکشی کے واقعات میں بتدریج اضافہ اس امر کا پتہ دیتا ہے کہ محض مذہبی شناخت کسی معاشرے کو اخلاقی زوال یا نفسیاتی بحران سے مکمل طور پر محفوظ نہیں رکھ سکتی جب تک اس شناخت کے عملی تقاضوں کو زندگی میں نافذ نہ کیا جائے۔ اسلامی معاشرے کی ساخت چونکہ دینی اقدار پر قائم ہوتی ہے اس لیے عمومی طور پر یہ تصور موجود ہے کہ یہاں روحانی وفکری بحران جنم نہیں لیتا۔ مگر جدید دنیا میں پیش رفت کرتی ٹیکنالوجی ثقافتی تصادم خاندانی نظام کی کمزوری اقتصادی اضطراب اور نفسیاتی خلفشار نے اسلامی معاشروں کو بھی ذہنی دباؤ اور بے چینی کا شکار بنا دیا ہے۔ اسی اضطراری کیفیت کا مظہر یہ ہے کہ آج کے مسلمان معاشرے میں بھی خودکشی جیسے قبیح فعل کے واقعات محض استثنائی نہیں رہے بلکہ ایک بڑھتا ہوا رجحان بنتے جا رہے ہیں۔ یہ نکتہ نہایت اہم ہے کہ خودکشی کسی ایک عنصر یا وقتی کیفیت کا نتیجہ نہیں بلکہ یہ مختلف ذہنی نفسیاتی معاشرتی اور روحانی کمزوریوں کا مجموعہ ہوتا ہے۔ اسلامی معاشرہ اگرچہ قرآن وسنت کے احکامات دینی تربیت اجتماعی اخوت اور روحانی تسکین جیسے عوامل سے مزین ہوتا ہے لیکن جب ان عوامل کو رسمی حیثیت دی جائے یا معاشرے میں دینی روح کمزور ہو جائے تو وہی معاشرہ جو فرد کو صبر قناعت اور توکل سکھاتا ہے ایک ایسے میدان میں بدل جاتا ہے جہاں انسان تنہائی احساسِ کمتری اور زندگی سے مایوسی کا شکار ہو جاتا ہے۔ یہاں اس سوال کا اٹھنا فطری ہے کہ جب اسلامی معاشرہ ایک مکمل ضابطہ حیات پیش کرتا ہے تو آخر وہ کون سے داخلی اور خارجی اسباب ہیں جنہوں نے اس معاشرے میں خودکشی جیسے حرام فعل کو جنم دینے کی گنجائش فراہم کی؟ ان اسباب کا جائزہ لیتے ہوئے ہمیں اس بات کو سمجھنا ہو گا کہ خودکشی کا تعلق محض شخصی محرومی یا ذہنی دباؤ سے نہیں بلکہ یہ اس وقت ظہور پذیر ہوتی ہے جب پورا نظام فکر نظام تربیت اور نظام اقدار کمزور ہو چکے ہوں۔ افرادِ معاشرہ جب دین کی اصل روح سے دور ہو جائیں مذہبی علامات کو محض رسوم بنا دیں اور دین کو بطور نجات دہندہ کے بجائے بطور محدود شعار کے قبول کریں تو وہاں زندگی کی بے معنویت غالب آ جاتی ہے۔ احادیثِ مبارکہ میں خودکشی کو جہنم کا مستقل سبب قرار دیا گیا ہے جیسا کہ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے پہاڑ سے گرا کر خود کو ہلاک کیا وہ جہنم میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے گرتا رہے گا اور جس نے زہر پی کر خودکشی کی وہ دوزخ میں ہمیشہ کے لیے زہر پیتا رہے گا اور جس نے خود کو کسی چیز سے قتل کیا وہ جہنم میں ہمیشہ کے لیے خود کو اسی چیز سے قتل کرتا رہے گا۔ اسلامی معاشرہ محض عبادات پر قائم نہیں بلکہ ایک مکمل تہذیبی تربیتی نفسیاتی اور سماجی نظام کا نام ہے جو فرد کو ذاتی واجتماعی سطح پر متوازن زندگی بسر کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ مگر جب ان پہلوؤں میں بگاڑ آتا ہے تو فرد کو درپیش بحرانوں کا حل نظر نہیں آتا اور وہ انتہائی قدم اٹھا لیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خودکشی کا سبب تلاش کرنے کے لیے ہمیں اسلامی معاشرے کی موجودہ کیفیت اس کے فکری زوال دینی اداروں کے کردار خاندانی نظام کی شکستگی اور روحانی تربیت کی کمی جیسے موضوعات پر تحقیقی نگاہ ڈالنی ہو گی۔

گلگت میں خودکشی کے عوامل:

خودکشی محض ایک جذباتی یا نفسیاتی فیصلہ نہیں بلکہ ایک پیچیدہ سماجی فکری روحانی اور نفسیاتی بحران کا نتیجہ ہوتا ہے۔ یہ عمل فرد کے اندرونی اضطراب بے یقینی مایوسی اور بے مقصدی کے شدید احساس کا مظہر ہوتا ہے جو اسے زندگی کی نعمت کو ختم کرنے پر آمادہ کر دیتا ہے۔ اگرچہ خودکشی

ایک حرام فعل ہے اور شریعتِ اسلامیہ نے اس کی سخت ممانعت کی ہے مگر اس کے پیچھے کارفرما اسباب کو نظرانداز کرنا بھی ایک بڑی کوتاہی ہے۔ ایک اسلامی فلاحی ریاست کے لیے لازم ہے کہ وہ ان عوامل کا گہرائی سے مطالعہ کرے جو فرد کو خودکشی جیسے انتہائی اقدام کی طرف لے جاتے ہیں۔ کیونکہ جب تک بیماری کی جڑ کو پہچانا نہ جائے اس کا علاج بھی مؤثر نہیں ہو سکتا۔ ذیل میں ان بنیادی عوامل کا تجزیاتی جائزہ پیش کیا جا رہا ہے جو افراد کو خودکشی کی طرف مائل کرتے ہیں۔

ایمانی کمزوری اور روحانی خلا:

کسی بھی اسلامی معاشرے کی روح اس کے افراد کے باطن میں موجود ایمان یقین توکل صبر اور قناعت جیسے روحانی اوصاف سے قائم رہتی ہے۔ یہ اوصاف انسان کے داخلی استحکام کو جنم دیتے ہیں جو اسے خارجی بحرانوں میں مضبوطی عطا کرتے ہیں۔ جب یہ اوصاف مضمحل ہو جائیں اور قلبی تعلق اللہ تعالیٰ سے کمزور پڑ جائے تو انسان زندگی کے بوجھ تلے دبنے لگتا ہے۔ روحانی خلاء کا آغاز تب ہوتا ہے جب انسان اپنی اصل (یعنی عبدیت) کو فراموش کر دیتا ہے اور مادی دنیا کو اپنی آخری منزل سمجھنے لگتا ہے۔ اسی روحانی بحران کی کوکھ سے وہ مایوسی جنم لیتی ہے جو بالآخر خودکشی جیسے حرام اور مہلک راستے کی طرف لے جاتی ہے۔[1]

توکل صبر قناعت اللہ پر بھروسے میں کمی:

قرآنِ حکیم میں اہلِ ایمان کو ہر مرحلے پر اللہ پر کامل بھروسے صبر اور قناعت کا درس دیا گیا ہے۔ یہ وہ صفات ہیں جو انسان کو ظاہری ناکامیوں کے باوجود اندرونی طور پر مطمئن اور پُرامید رکھتی ہیں۔ جب یہ صفات کمزور ہو جائیں تو دل و دماغ میں مایوسی گھر کر لیتی ہے اور انسان زندگی سے فرار کو راہِ نجات سمجھنے لگتا ہے۔

وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُه

"اور جو اللہ پر توکل کرے تو وہ اس کے لیے کافی ہے"

اسی طرح صبر کے بارے میں فرمایا:

وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ[2]

"اور صبر کرنے والوں کو خوش خبری دے دیجیے۔ وہ کہ جب کوئی مصیبت انہیں پہنچتی ہے تو کہتے ہیں: بے شک ہم اللہ کے لیے ہیں اور بے شک ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں"

ایمان توکل صبر اور قناعت کی یہ بنیادی صفات جب کسی فرد میں موجود ہوں تو وہ سخت ترین حالات میں بھی پُرامید رہتا ہے۔ لیکن جب وہ اللہ کی طرف رجوع کرنے کے بجائے صرف اسبابِ دنیا پر انحصار کرنے لگتا ہے تو اس کا دل جب کسی وجہ سے ٹوٹتا ہے تو امید کا چراغ بجھ جاتا ہے۔ روحانی کمزوری اصل میں قلبی فاقہ ہے جو ہر طرح کے اخلاقی اور نفسیاتی انحراف کی جڑ بن جاتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ایمان کے عملی مظاہر کے طور پر اللہ پر اعتماد دعا رجوع اور صبر کو لازم قرار دیا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے:

احْفَظِ اللَّهَ يَحْفَظْكَ احْفَظِ اللَّهَ تَجِدْهُ تُجَاهَكَ إِذَا سَأَلْتَ فَاسْأَلِ اللَّهَ وَإِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللَّهِ[3]

1۔ ڈاکٹر عبدالحکیم، **اسلام میں خودکشی کی ممانعت**، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، صفحہ: 14

2۔ البقرۃ: 155-156

3۔ جامع الترمذی، **صفۃ القیامۃ والورع**، حدیث، 2516

"اللہ کا دھیان رکھ وہ تیرا محافظ ہوگا اللہ کو یاد رکھ تو اسے اپنے سامنے پائے گا۔ جب سوال کرے تو اللہ ہی سے مانگ اور جب مدد طلب کرے تو اللہ ہی سے طلب کر۔"

یہ حدیثِ مبارکہ ایمان کے اس نظامِ اعتقاد کو واضح کرتی ہے جو انسان کے دل میں خوف پریشانی اور مایوسی کے وقت صبر ورضا اور عزم و یقین کو جنم دیتا ہے۔ خودکشی اس وقت جنم لیتی ہے جب انسان اس نظامِ ہدایت سے جدا ہو جائے اور قلبی سہارا باقی نہ رہے۔ یہی وجہ ہے کہ خودکشی صرف ظاہری حالات کا ردِ عمل نہیں بلکہ یہ باطن کی وہ گھٹن ہے جو انسان کو موت کو زندگی پر ترجیح دینے پر آمادہ کرتی ہے۔ ایمان کی کمزوری جب دعا عبادت ذکر اور اللہ سے قلبی تعلق میں کمی کی صورت اختیار کر لے تو پھر انسان کی باطنی طاقت ختم ہونے لگتی ہے۔ وہ مشکلات کا سامنا کرنے کے بجائے ان سے فرار کو حل سمجھنے لگتا ہے۔ بظاہر نمازیں پڑھنے والا روزے رکھنے والا بھی اگر توکل صبر دعا رجوع اور دل کی کیفیت سے خالی ہو تو وہ بھی اسی داخلی ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو سکتا ہے جو بالآخر خودکشی جیسے مہلک اقدام پر منتج ہو۔

دینی عقائد میں کمزوری:

انسان کی فطرت میں روحانیت اور ماورائی حقیقت کی تلاش ایک بنیادی محرک کی حیثیت رکھتی ہے۔ جب یہ محرک ایک مستحکم عقیدۂ توحید نبوت اور آخرت سے جُڑ جائے تو انسان کا شعور عمل اور جذبات ایک بامقصد سمت اختیار کر لیتے ہیں۔ لیکن جب عقائد کی بنیاد کمزور ہو جائے تو انسان کی زندگی بے مقصد غیر منظم اور محرومیوں سے بھری محسوس ہونے لگتی ہے۔ دعا اور عبادت انسان کے لیے روحانی غذا کا درجہ رکھتی ہیں اور یہی غذا اُسے مایوسی اضطراب ذہنی خلش اور نفسیاتی بوجھ سے نجات دیتی ہے۔ جب بندہ اپنے رب سے جڑنے کے ان ذرائع کو ترک کر دیتا ہے تو وہ ایک ایسی داخلی تنہائی میں چلا جاتا ہے جہاں امید کے چراغ بجھ جاتے ہیں۔ یہی وہ روحانی تنہائی ہے جو بالآخر مایوسی اور خودکشی جیسے افعال کی طرف دھکیلتی ہے۔ قرآنِ مجید میں بار بار دعا اور اللہ سے تعلق کو انسان کی نجات کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے:

ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ[1]

"مجھے پکارو میں تمہاری دعائیں قبول کروں گا۔ بے شک جو لوگ میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں وہ عنقریب ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔"

اسی طرح نماز (عبادت) کے حوالے سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ ۚ وَإِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ[2]

"صبر اور نماز سے مدد مانگو بے شک نماز بہت بھاری ہے مگر ان پر نہیں جو عاجزی کرنے والے ہیں۔"

نبی کریم ﷺ نے بھی دعا کو عبادت کا مغز قرار دیا:

الدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ[3]

"دعا عبادت کا مغز ہے"

---

[1]۔ المؤمن: 40

[2]۔ البقرۃ: 45

[3]۔ جامع الترمذی، کتاب الدعوات، حدیث: 3371

ان قرآنی آیات اور نبوی فرمودات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ایمان کا مضبوط ہونا عبادت و دعا کے دوام سے جڑا ہوا ہے۔ اگر عبادت محض رسمی ہو دل اس میں شامل نہ ہو یا بالکل ترک کر دی جائے تو ایمان رفتہ رفتہ مضمحل ہو جاتا ہے۔ ایسے انسان کا دل پھر سکون کا متلاشی رہتا ہے مگر وہ اسے دنیاوی ذرائع میں تلاش کرتا ہے۔ جب ان ذرائع سے بھی سکون میسر نہ ہو تو دل مایوسی کا شکار ہو جاتا ہے اور یہی مایوسی اسے خودکشی کی طرف لے جا سکتی ہے۔ عبادت سے دوری انسان کو اللہ سے جدائی کے احساس میں مبتلا کر دیتی ہے جو ایک طرح کا نفسیاتی اندھیرا بن جاتا ہے۔ جس طرح جسم غذا کے بغیر کمزور ہو جاتا ہے ویسے ہی روح دعا اور ذکر کے بغیر مرجھا جاتی ہے۔ بدقسمتی سے جدید معاشرتی دباؤ مادیت پسندی سوشل میڈیا کی سطحی مسرتیں اور دینی فہم کی کمی نے نوجوانوں میں دینی عقائد اور عبادتی زندگی سے فاصلہ پیدا کر دیا ہے۔ نتیجتاً وہ نفسیاتی دباؤ کے وقت اللہ کی طرف رجوع کے بجائے دنیاوی یا خود ساختہ طریقوں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جو اکثر ناکامی کی صورت میں مایوسی کو جنم دیتے ہیں۔ یہی مایوسی خودکشی جیسے سنگین فعل کی طرف لے جاتی ہے۔

دینی تعلیم کی کمی اور مدرسہ و مسجد کا عملی کردار ختم ہونا:

اسلامی معاشرے میں دینی تعلیم محض معلومات کا مجموعہ نہیں بلکہ ایک روحانی نظامِ تربیت ہے جو فرد کی شخصیت کی تشکیل کردار سازی اور معاشرتی رویّوں میں توازن کا ضامن ہے۔ قرآن حدیث فقہ سیرت اور اخلاقیات جیسے مضامین انسان کو نہ صرف دین کی حقیقت سے روشناس کراتے ہیں بلکہ زندگی کے نشیب و فراز میں رہنمائی کا لازوال منبع بھی فراہم کرتے ہیں۔ جب معاشرے سے یہ نظامِ تعلیم کمزور یا معدوم ہو جائے تو افراد ذہنی روحانی اور اخلاقی بحرانوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔ یہی بحران آگے چل کر مایوسی بے مقصدی اور زندگی سے گریز کے رجحان کو جنم دیتا ہے۔ دینی تعلیم کی بنیاد قرآنِ کریم نے خود اس آیت میں بیان فرمائی:

يَرْفَعِ ٱللَّهُ ٱلَّذِينَ آمَنُواْ مِنكُمْ وَٱلَّذِينَ أُوتُواْ ٱلْعِلْمَ دَرَجَٰتٍ[1]

"اللہ تعالیٰ تم میں سے ایمان والوں اور علم والوں کے درجات بلند فرماتا ہے"

رسول اللہ ﷺ نے دینی تعلیم کی اہمیت یوں واضح فرمائی:

مَن يُرِدِ اللَّهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ[2]

"جس کے ساتھ اللہ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اسے دین کی سمجھ عطا کرتا ہے"

افسوس ناک امر یہ ہے کہ آج کے جدید معاشرے میں مدارس اور مساجد صرف رسمی عبادات تک محدود ہو کر رہ گئے ہیں۔ ان کا وہ تربیتی فکری اور روحانی کردار جو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دور میں مسلم معاشرے کی بنیاد تھا عملاً غیر مؤثر یا غیر فعال ہو چکا ہے۔ مدارس کا نصاب اگرچہ موجود ہے مگر عملی زندگی میں ان تعلیمات کا اطلاق کمزور ہو چکا ہے۔ مساجد جو کبھی علم و تربیت کے مراکز تھیں اب صرف چند مخصوص اوقات تک محدود ہو چکی ہیں۔ ایسے میں نوجوان نسل دینی فہم روحانی تسکین اور اخلاقی رہنمائی سے محروم رہ جاتی ہے۔ جب دینی علم اور شعور نہ ہو تو وہ مشکلات کے وقت نہ صبر جانتے ہیں نہ دعا کا سلیقہ اور نہ ہی توکل یا رجوع الی اللہ جیسی نجات بخش صفات۔ یہ دینی خلا نفسیاتی طور پر نوجوانوں کو گہرے بحران میں مبتلا کرتا ہے۔ وہ دنیاوی ناکامیوں کو مکمل تباہی سمجھ بیٹھتے ہیں کیونکہ ان کے پاس نہ اُخروی امید کا سہارا ہوتا ہے اور نہ

---

[1] ۔المجادلہ: 11

[2] ۔بخاری، الصحیح بخاری، **کتاب العلم**، باب من یرد اللہ بہ خیراً یفقہ فی الدین، رقم 71، ج 1، ص 28

زندگی کے مصائب کو آزمائش سمجھنے کا فہم۔ اس خلا کو کبھی مادہ پرستی کبھی سوشل میڈیا کی نمائشی خوشیاں اور کبھی نفسیاتی علاج پُر کرنے کی کوشش کرتے ہیں مگر وہ روح کی پیاس بجھا نہیں پاتے۔ جب روحانی پیاس شدت اختیار کر لے تو بعض افراد خودکشی جیسے حرام اور انتہائی عمل تک جا پہنچتے ہیں۔ لہٰذا دینی تعلیم کی کمی اور مسجد و مدرسے کا عملی کردار کمزور ہونا اسلامی معاشرے میں خودکشی جیسے رجحانات کی ایک بنیادی وجہ ہے۔ جب دین فرد کی زندگی سے نکل جائے تو وہ نہ صرف روحانی طور پر ویران ہو جاتا ہے بلکہ معاشرتی طور پر بھی ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جاتا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ مساجد اور مدارس کو دوبارہ معاشرتی تربیت کے فعال مراکز بنایا جائے تاکہ افراد کو دین کا زندہ شعور نصیب ہو اور وہ زندگی کے ہر بحران میں اللہ پر توکل اور صبر کے ساتھ ثابت قدم رہیں۔

قرآن حدیث اور اخلاقی تعلیمات سے ناواقفیت:

اسلام ایک ایسا کامل دین ہے جو زندگی کے ہر پہلو میں انسان کی رہنمائی کرتا ہے۔ اس کی اصل روح قرآن اور سنتِ رسول ﷺ میں پنہاں ہے۔ اگر ایک مسلمان ان بنیادی ماخذات سے جُڑ جائے تو اس کی زندگی نہ صرف فکری و روحانی سکون سے مالا مال ہو جاتی ہے بلکہ نفسیاتی دباؤ محرومی اور مایوسی جیسی مہلک کیفیتوں سے بھی محفوظ رہتی ہے۔ لیکن جب فرد قرآن و حدیث کی تعلیمات سے ناواقف ہو جائے تو وہ گویا ہدایت کے سرچشمے سے کٹ جاتا ہے۔ ایسی صورت میں وہ زندگی کے نشیب و فراز کا مقابلہ نہ تو صبر و شکر کے ساتھ کر سکتا ہے نہ توکل و رضا کے ساتھ اور نہ ہی بلند اخلاق کے ساتھ۔ یہی لاعلمی فکر و عمل کے تضاد ذہنی انتشار اور بالآخر مایوسی و خودکشی جیسے افعال کی جڑ بن جاتی ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقَىٰ وَمَنْ أَعْرَضَ عَن ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنكًا[1]

"جو میرے ہدایت کی پیروی کرے گا وہ نہ گمراہ ہوگا اور نہ بدبخت ہوگا۔ اور جو میرے ذکر (قرآن) سے منہ موڑے گا اس کے لیے تنگ زندگی ہوگی۔"

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

تَرَكْتُ فِيكُمْ أَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا: كِتَابَ اللّٰهِ وَسُنَّةَ نَبِيِّهِ[2]

"میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں جب تک تم ان دونوں کو مضبوطی سے تھامے رکھوگے ہرگز گمراہ نہ ہوگے: اللہ کی کتاب اور اس کے نبی کی سنت۔"

یہ آیات و احادیث اس حقیقت کو واضح کرتی ہیں کہ قرآن و حدیث سے دوری نہ صرف فکری ضلالت کا سبب ہے بلکہ عملی زندگی میں بدبختی تنگی اور اضطراب کا ذریعہ بھی بن جاتی ہے۔ آج جب ہم مسلم معاشروں بالخصوص نوجوان نسل کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں افسوس کے ساتھ یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ ان کی اکثریت قرآن کے مفہوم حدیث کے فہم اور اخلاقِ نبوی سے یکسر ناواقف ہے۔ وہ مذہب کو یا تو رسمی عبادات تک محدود سمجھتے ہیں یا اسے ایک اجنبی شے تصور کرتے ہیں۔ یہ ناواقفیت صرف علمی کمی نہیں بلکہ روحانی غربت ہے۔ کیونکہ جب انسان قرآن و سنت کی روشنی سے محروم ہو تو وہ روحانی سکون فکری رہنمائی اور نفسیاتی تقویت سے بھی محروم ہو جاتا ہے۔ نتیجتاً وہ زندگی کے مسائل میں تنہا لاچار اور بے بس

---

[1] ۔طٰہٰ:123

[2] ۔موطا امام مالک، (کتاب القدر)، حدیث نمبر:1594

محسوس کرتا ہے۔ جب زندگی کے مسائل کا سامنا صرف مادی پیمانوں پر کیا جائے تو وہ لاینحل دکھائی دیتے ہیں۔اور جب مسائل کا حل دکھائی نہ دے تو انسان بعض اوقات انتہائی قدم جیسا کہ خودکشی کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔مزید برآں اخلاقی تعلیمات سے ناواقفیت انسان کو صبر قناعت توکل اور عفو و درگزر جیسے اوصاف سے محروم کر دیتی ہے۔ جبکہ یہی اوصاف انسان کو نفسیاتی توازن عطا کرتے ہیں اور زندگی کی تلخیوں کو سہنے کا حوصلہ بخشتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ کا اخلاق قرآنی تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ[1]

"اور بے شک آپ بلند اخلاق پر فائز ہیں۔"

لیکن جب معاشرے میں اخلاقِ نبوی کی تعلیمات اجنبی ہو جائیں تو انسان محض جذباتی ردِ عمل کا اسیر بن جاتا ہے جو اکثر اوقات نفرت تشدد یا خود کو نقصان پہنچانے پر منتج ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ قرآن و حدیث اور اخلاقی تعلیمات سے ناواقفیت دراصل روحانی گمراہی فکری بحران اور نفسیاتی انحطاط کی بنیاد ہے۔ یہ ایک ایسی خاموش تباہی ہے جو فرد کو اندر سے توڑ کر رکھ دیتی ہے یہاں تک کہ وہ جینے کی خواہش سے ہی دستبردار ہو جاتا ہے۔اس رجحان کے تدارک کے لیے قرآن و سنت کی تعلیمات کو مؤثر انداز میں عام کرنا اور اخلاقی تربیت کو دینی نصاب کا لازمی حصہ بنانا نہایت ضروری ہے۔

نظامِ تربیت میں فقدان:

اسلامی تعلیمات میں سب سے پہلی درسگاہ "گھر" کو قرار دیا گیا ہے اور ماں باپ کو اولین مربّی اور معلمین کہا گیا ہے۔ایک بچے کی ذہنی نفسیاتی اور اخلاقی نشو و نما کا بنیادی مرکز گھر ہوتا ہے۔ اگر والدین تربیت کے اصولوں سے ناآشنا ہوں یا ان کے طرزِ عمل میں اسلامی اقدار کی جھلک نہ ہو تو وہ بچے جو ظاہراً کسی مہذب معاشرے کا حصہ ہوتے ہیں باطن میں انتشار تنہائی اور مایوسی کا شکار ہوتے چلے جاتے ہیں۔جب تربیت کا تسلسل ٹوٹ جائے تو فرد خود کو ایک ایسی دنیا میں پاتا ہے جہاں اس کے جذبات کو کوئی سمجھنے والا نہیں ہوتا۔ یہ احساسِ تنہائی رفتہ رفتہ اس حد تک شدت اختیار کر لیتا ہے کہ انسان زندگی سے دلبرداشتہ ہو جاتا ہے۔قرآنِ حکیم نے والدین کی ذمہ داری کو ان الفاظ میں بیان کیا:

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ قُوٓاْ أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا[2]

"اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو جہنم کی آگ سے بچاؤ۔"

اس آیت کریمہ کی روشنی میں والدین پر لازم ہے کہ وہ نہ صرف اپنی نجات کی فکر کریں بلکہ اپنی اولاد کو بھی ایسی دینی اخلاقی اور جذباتی تربیت دیں جو اُسے فتنوں ذہنی الجھنوں اور معاشرتی دباؤ سے محفوظ رکھ سکے۔اسی ضمن میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد بھی نہایت اہمیت کا حامل ہے:

كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْؤُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ[3]

"تم میں سے ہر ایک نگہبان ہے اور ہر ایک اپنی رعیت کے بارے میں جواب دہ ہے۔"

---

[1]۔القلم:4

[2]۔تحریم:6

[3]۔بخاری، الجامع الصحیح، **کتاب الاحکام**، باب الامام راع، جلد:3، حدیث، 893، صفحہ:103

مگر آج کے جدید معاشرے میں والدین کی توجہ صرف دنیاوی تعلیم معاشی سہولیات اور ظاہری آسائشوں پر مرکوز ہو گئی ہے۔ماں باپ اپنے بچوں کو مہنگے اسکولوں میں داخل کرا کے سمجھتے ہیں کہ انہوں نے اپنی تربیتی ذمہ داری پوری کر دی ہے حالانکہ روحانی اخلاقی اور شخصی تربیت کسی نصاب میں خود بخود منتقل نہیں ہوتی یہ کردار اور عمل سے منتقل ہوتی ہے۔جب گھروں میں محبت ہمدردی دینی شعور اور جذباتی توازن کی فضا نہ ہو تو بچے رفتہ رفتہ ایسے خلا کا شکار ہو جاتے ہیں جسے وہ کسی سے بانٹ نہیں سکتے۔والدین اگر اپنے بچوں کے ساتھ وقت نہ گزاریں ان کے ذہنی مسائل کو سننے والا کوئی نہ ہو اور انہیں محض تنقید موازنہ اور توقعات کے دباؤ میں رکھا جائے تو یہی گھریلو فضا ایک نہایت خطرناک ذہنی کیفیت کی شکل اختیار کر سکتی ہے۔ایک اور اہم مسئلہ یہ ہے کہ اکثر والدین خود دینی شعور اور تربیت سے ناآشنا ہوتے ہیں چنانچہ ان کے پاس اولاد کو سکھانے کے لیے نہ نمونہ ہوتا ہے اور نہ اصول۔

بچے خود اپنی شخصیت کی بنیاد کسی بیرونی اثر سے قائم کرتے ہیں جو اکثر اوقات سوشل میڈیا غیر اسلامی ثقافت یا ناسمجھ دوستوں کی شکل میں ہوتا ہے۔اور یہ اثرات انہیں زندگی کے حقیقی مسائل سے بچانے کے بجائے مزید الجھاتے ہیں۔یہ صورت حال نہ صرف ذہنی انتشار بلکہ شدید مایوسی احساسِ کمتری اور زندگی سے فرار کی کیفیت کو جنم دیتی ہے۔اس مقام پر جب کوئی نوجوان خود کو اکیلا محسوس کرتا ہے تو وہ انتہائی اقدام یعنی خودکشی تک جا پہنچتا ہے۔لہٰذا نظام تربیت کے فقدان اور گھریلو تربیت کے بحران کو نظرانداز کرنا ایک معاشرتی خودکشی ہے۔اسلامی معاشرے میں گھر کو اولین تربیتی اکائی کے طور پر زندہ کرنا والدین کو دینی شعور دینا اور محبت و حکمت پر مبنی تربیت کو فروغ دینا نہایت ناگزیر ہے۔اس کے بغیر فرد خاندان اور پورا معاشرہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جاتا ہے۔

والدین اور بڑوں کی غفلت:

اسلام نے اولاد کی تربیت اور نگہداشت کو والدین کے ذمے ایسا فطری اور شرعی فریضہ قرار دیا ہے جو ان کی زندگی کی سب سے اہم ذمہ داریوں میں شمار ہوتا ہے۔والدین کی توجہ رہنمائی اور محبت بچوں کے جذباتی ذہنی اور روحانی توازن کی بنیاد فراہم کرتی ہے۔مگر افسوس کہ دورِ حاضر کا سب سے بڑا بحران یہی ہے کہ والدین اور گھر کے بڑے اپنے بچوں کی زندگیوں سے عملاً غافل ہو چکے ہیں۔جدید مصروفیات معاشی دوڑ سوشل میڈیا کا غیر متوازن استعمال اور دنیاوی ترجیحات نے انہیں اس فطری شرعی اور اخلاقی فریضے سے دور کر دیا ہے۔نتیجتاً نوجوانوں کے دل و دماغ میں ایسا خلا پیدا ہوتا ہے جو وقت کے ساتھ ذہنی بے سکونی تنہائی اور مایوسی کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔قرآنِ حکیم نے اولاد کی ذمہ داری کو والدین کے لیے امانت قرار دیا اور ان کی اصلاح و تربیت کو نجات کے راستے کی پہلی شرط بتایا:

وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلَوٰةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ۖ لَا نَسْـَٔلُكَ رِزْقًا ۖ نَّحْنُ نَرْزُقُكَ ۗ وَالْعَـٰقِبَةُ لِلتَّقْوَىٰ[1]

"اور اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دو اور اس پر خود بھی ثابت قدم رہو۔ہم تم سے رزق نہیں مانگتے ہم تمہیں روزی دیتے ہیں۔اور اچھا انجام تقویٰ ہی کا ہے۔"

[1] طہ:132

اس آیت میں واضح طور پر والدین کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ صرف اپنی معاشی دوڑ میں نہ لگیں بلکہ گھریلو تربیت کو ترجیح دیں۔ اولاد کے اندر عبادت تقویٰ اور روحانیت کا شعور جگانا والدین کا دینی فریضہ ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

مَا نَحَلَ وَالِدٌ وَلَدَهُ نِحْلَةً أَفْضَلَ مِنْ أَدَبٍ حَسَنٍ[1]

"کسی والد نے اپنی اولاد کو جو سب سے بہترین عطیہ دیا وہ حسنِ ادب ہے۔"

اس حدیثِ مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے قیمتی تحفہ جو ماں باپ اپنی اولاد کو دے سکتے ہیں وہ تعلیم و تربیت ادب شعور اور نفسیاتی توازن ہے۔ مگر افسوس والدین کی اکثریت صرف دنیاوی فلاح کی فکر میں بچوں کو نوکری تعلیم اور شہرت کے راستے پر ڈال دیتی ہے اور ان کے باطن جذبات اور روح کی پرورش یکسر نظر انداز ہو جاتی ہے۔ بچوں کے اندر اکثر جو "خاموش چیخیں" پائی جاتی ہیں وہ انہیں اُس وقت لاحق ہوتی ہیں جب وہ محسوس کرتے ہیں کہ گھر میں انہیں کوئی سننے والا نہیں کوئی سمجھنے والا نہیں۔ ان کی باتوں کو یا تو مذاق میں اڑا دیا جاتا ہے یا ڈانٹ تقابل اور مایوس کن تبصروں کے ذریعے دبا دیا جاتا ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں نوجوان اپنے جذبات کو یا تو تنہائی میں دبا لیتے ہیں یا پھر ان جذبات کو خودکشی جیسے انتہائی قدم کی صورت میں نکال دیتے ہیں۔ تحقیقی مشاہدات بتاتے ہیں کہ جن گھروں میں والدین روزانہ وقت نکال کر بچوں سے بات کرتے ہیں ان کی ذہنی صحت بہتر ہوتی ہے وہ زیادہ مطمئن اور متوازن ہوتے ہیں۔ برعکس اس کے وہ نوجوان جنہیں گھر میں سننے والا کوئی نہیں ہوتا وہ یا تو خود کو غیر اہم سمجھنے لگتے ہیں یا کسی غلط سہارے کی تلاش میں بھٹکنے لگتے ہیں۔ لہٰذا والدین اور بڑوں کی یہ غفلت محض ایک وقتی کوتاہی نہیں بلکہ ایک سماجی جرم ہے جو نئی نسل کے ذہن و دل پر ایسے زخم چھوڑتا ہے جو یا تو عمر بھر نہیں بھرتے یا خودکشی کی صورت میں ختم ہو جاتے ہیں۔ اسلام اس رویے کو قابلِ مذمت قرار دیتا ہے اور اولاد کی تربیت کو والدین کے لیے دنیا و آخرت کی نجات کا ذریعہ بناتا ہے۔ وقت آ چکا ہے کہ ہم بحیثیت معاشرہ والدین اور اساتذہ کو ان کے اصل منصب کی طرف پلٹائیں تاکہ ہم نوجوانوں کو ایک ایسی جذباتی و دینی پناہ گاہ مہیا کر سکیں جو انہیں زندگی سے جوڑے رکھے نہ کہ موت کی دہلیز تک لے جائے۔

تربیتی ادارے صرف نصابی مراکز بن گئے:

تعلیم اسلام میں محض معلومات کا نام نہیں بلکہ تربیتِ نفس اصلاحِ کردار تزکیۂ باطن اور روحانی شعور کی آبیاری کا ایک مسلسل عمل ہے۔ اسلام نے تعلیم کے ساتھ "تربیت" کو لازم و ملزوم قرار دیا ہے۔ مگر افسوس! عصرِ حاضر میں تعلیمی ادارے اپنی اصل روح سے محروم ہو چکے ہیں۔ وہ ادارے جو کبھی اخلاقی بصیرت روحانی آگاہی اور انسان سازی کا مرکز ہوتے تھے اب صرف نصاب گریڈز اسائنمنٹس اور ڈگریوں کے دفتر بن کر رہ گئے ہیں۔ ان میں طلبہ کی اخلاقی تربیت ایمانی استقامت اور روحانی وابستگی پر کوئی مؤثر کام نہیں ہو رہا۔ نتیجتاً نسلِ نو کا ایک بڑا طبقہ ظاہری طور پر تعلیم یافتہ لیکن باطنی طور پر کھوکھلا بے سکون اور خودکشی جیسے خطرناک رجحانات کا شکار ہو رہا ہے۔ قرآن مجید تعلیم کے مقاصد کو یوں بیان کرتا ہے:

هُوَ ٱلَّذِى بَعَثَ فِى ٱلْأُمِّيِّـۧنَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا۟ عَلَيْهِمْ ءَايَـٰتِهِۦ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ ٱلْكِتَـٰبَ وَٱلْحِكْمَةَ[2]

"وہی ہے جس نے اُمی لوگوں میں ایک رسول اُنہی میں سے بھیجا جو ان پر اللہ کی آیات تلاوت کرتا ہے انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے۔"

---

[1] ۔الجامع ترمذی، **کتاب البر والصلۃ**، باب ماجاء فی أدب الولد، جلد: 4، حدیث، 1952، صفحہ: 338

[2] ۔الجمعہ: 2

یہ آیت تعلیم کے چار بنیادی مقاصد بیان کرتی ہے: تلاوتِ آیات تزکیہ تعلیمِ کتاب اور حکمت۔ افسوس کہ آج کے اداروں میں تزکیہ نفس اور حکمتِ حیات کی تعلیم مکمل طور پر غائب ہو چکی ہے۔ اب تعلیم صرف ایک معاشی ہتھیار ہے ایک پیشہ ورانہ سہولت جس کا مقصد صرف روزگار حاصل کرنا ہے زندگی کو بہتر بنانا نہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

إِنَّمَا بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْأَخْلَاقِ[1]

"بے شک مجھے اس لیے مبعوث کیا گیا ہے کہ میں اخلاقِ حسنہ کو مکمل کر دوں۔"

اس ارشادِ نبوی سے یہ بات عیاں ہے کہ تعلیم کا جوہری مقصد انسان کی شخصیت کو سنوارنا ہے نہ کہ صرف معلومات کا انبار جمع کرنا۔ مگر جب ادارے اپنے اس تربیتی کردار سے غافل ہو جائیں جب استاد محض لیکچرر بن جائے جب نصاب میں روحانیت کی بجائے فقط رٹے کی اہمیت ہو تو نوجوان نسل ایک "ہجومِ ذہن" تو بن جاتی ہے مگر ایک متوازن مطمئن اور پر اعتماد انسان بننے سے قاصر رہتی ہے۔ آج کے تعلیمی اداروں میں نہ کردار سازی کے لیکچر ہوتے ہیں نہ طلبہ کے باطنی مسائل پر کوئی گفت وشنید نہ انہیں خود اعتمادی اللہ پر بھروسا صبر اور قناعت کی تعلیم دی جاتی ہے۔ طلبہ کی شخصی ساخت محض گریڈز نمبرز اور سی جی پی اے میں محدود ہو چکی ہے۔ اس تعلیمی ڈھانچے میں روحانیت احساس دل کی طہارت اور مقصدِ حیات جیسے بنیادی پہلو مکمل طور پر ناپید ہو چکے ہیں۔ نتیجتاً نوجوان جذباتی دباؤ کا شکار ہو کر بے عملی مایوسی اور بالآخر خودکشی جیسے المیہ کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔ اس بحران کا تدارک صرف اسی وقت ممکن ہے جب ہم اپنے تعلیمی اداروں کو محض نصابی مراکز کے بجائے تربیتی ادارے بنائیں۔ جہاں تعلیم صرف زبان و قلم تک محدود نہ ہو بلکہ دل و دماغ کو بھی منور کرے۔ جہاں استاد محض مضمون نہ پڑھائے بلکہ زندگی سکھائے۔ جہاں تربیت محض کوئی ضمنی سرگرمی نہ ہو بلکہ نظامِ تعلیم کا مرکزی ستون ہو۔ اسلامی معاشرے میں جب تک تعلیمی ادارے تربیت کا سرچشمہ نہیں بنتے ہم نہ تو خودکشی جیسے رجحانات کو روک سکتے ہیں اور نہ ہی ایسی نسل تیار کر سکتے ہیں جو باطن میں مضبوط اور کردار میں نکھری ہو۔

مذہبی اقدار کی پامالی:

اسلامی معاشرے کی روح اس کے اخلاقی و مذہبی اقدار میں مضمر ہے۔ جب یہ اقدار پامال ہوتی ہیں تو معاشرہ بے حسی بے راہ روی اور روحانی خلا کا شکار ہو جاتا ہے۔ آج کے میڈیا کلچر نے جس طرح فحاشی بے حیائی اور لادینیت کو "ترقی" کا لباس پہنا کر نوجوانوں کے ذہن و دل پر مسلط کیا ہے وہ نہ صرف اخلاقی زوال کا سبب ہے بلکہ خودکشی جیسے مہلک رجحانات کو بھی فروغ دے رہا ہے۔ جب انسان مسلسل ایسی تصویریں مکالمے مناظر اور طرزِ زندگی دیکھے جو دین حیاء حدود اور نیکی سے خالی ہو تو وہ نہ صرف گمراہ ہوتا ہے بلکہ بے معنی زندگی کا شکار ہو جاتا ہے۔ اسلام میں فحاشی اور بے حیائی کو فساد کی جڑ قرار دیا گیا ہے۔ قرآن مجید فرماتا ہے:

إِنَّ ٱلَّذِينَ يُحِبُّونَ أَن تَشِيعَ ٱلْفَٰحِشَةُ فِى ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِى ٱلدُّنْيَا وَٱلْءَاخِرَةِ ۚ وَٱللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ[2]

"جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ ایمان والوں میں بے حیائی پھیلے ان کے لیے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے اور اللہ جانتا ہے تم نہیں جانتے۔"

---

[1] ۔ موطا امام مالک، **کتاب حسن الخلق**، باب ماجاء فی الکارم، جلد: 2، حدیث، 1625، صفحہ: 45

[2] ۔ النور: 24

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نہ صرف بے حیائی پھیلانے والوں کو وعید سنائی ہے بلکہ ان لوگوں کو بھی نشانہ بنایا ہے جو اس کو پسند کرتے ہیں یا اس کا فروغ چاہتے ہیں۔ عصرِ حاضر میں میڈیا چاہے وہ الیکٹرانک ہو یا سوشل فلم ہو یا ڈرامہ اکثریت نے نوجوانوں کو جذباتی انحطاط اخلاقی زوال اور فکری پریشانی کی طرف دھکیل دیا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

إِذَا لَمْ تَسْتَحِ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ[1]

"جب تم میں حیاء باقی نہ رہے تو جو چاہو کرو۔"

یہ حدیث انسان کی اندرونی اخلاقی قوت یعنی "حیاء" کو ایمان کا بنیادی جزو قرار دیتی ہے۔ مگر جب یہی حیاء میڈیا کے ذریعے مجروح کی جاتی ہے تو انسان نیکی سے دور اور بدی کے قریب ہو جاتا ہے۔ سوشل میڈیا یوٹیوب فلم انڈسٹری اور ویب سیریز کے وہ مناظر جو عریانی بے راہ روی اور مادر پدر آزادی کو فروغ دیتے ہیں وہ نوجوانوں کے ذہن پر سب سے گہرا اثر چھوڑتے ہیں۔ وہ ان کے تصورِ حیات معیارِ اخلاق اور دینی وابستگی کو متزلزل کر دیتے ہیں۔ یہ لادین میڈیا کلچر نوجوانوں کے دلوں میں یہ خیال راسخ کرتا ہے کہ مذہب قدامت پرستی ہے حدود و قیود ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہیں اور خوشی کا مطلب صرف مادی لذتیں ہیں۔ جب وہ حقیقی خوشی سکون اور اطمینان حاصل نہیں کر پاتے تو مایوسی احساسِ کمتری اور بالآخر خودکشی جیسے افسوسناک نتائج سامنے آتے ہیں۔ اسلامی معاشرے میں میڈیا کی حیثیت تربیت گاہ کی ہے نہ کہ نفس کی بھڑکانے والی آگ۔ اگر معاشرہ اپنی نوجوان نسل کو فحاشی سے پاک روحانی طور پر زرخیز اور اخلاقی اقدار سے مزین میڈیا مہیا نہ کرے تو نئی نسل نہ صرف دینی اقدار سے دور ہو جائے گی بلکہ خود کو بے مقصد غیر متعلق اور غیر محفوظ محسوس کرے گی اور یہ کیفیت خودکشی جیسے رجحانات کی خشتِ اول ہوتی ہے۔ لہٰذا اسلامی معاشرے میں میڈیا کو دینی اقدار کا علم بردار اور اخلاقی تربیت کا ذریعہ ہونا چاہیے۔ علماء والدین اساتذہ اور پالیسی ساز سب پر فرض ہے کہ وہ اس خاموش ذہنی تباہی کے خلاف آواز بلند کریں اور نوجوانوں کو روحانی روشنی ایمانی طاقت اور اخلاقی بصیرت عطا کریں تاکہ وہ زندگی کو بامقصد اور پُرامن بنا سکیں۔

مغربی طرزِ زندگی کا اثر:

اسلامی معاشرہ اپنے فکری روحانی اور اخلاقی اصولوں کی بنیاد پر ایک خاص مزاج اور شناخت رکھتا ہے جہاں زندگی کا مقصد محض دنیاوی کامیابی یا مادی لذت نہیں بلکہ رضائے الٰہی اخلاقِ حسنہ اور آخرت کی کامیابی ہے۔ مگر جب مغربی طرزِ زندگی جو سراسر مادیت انفرادیت دنیاپرستی اور نفس پرستی پر مبنی ہو کسی اسلامی معاشرے پر اثرانداز ہوتا ہے تو اس کا سب سے بڑا نقصان نوجوان نسل اٹھاتی ہے۔ ان کی فکری جذباتی اور روحانی شناخت دھندلا جاتی ہے اور وہ تضادات کشمکش اور بے سمتی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ یہی کشمکش بعض اوقات اتنی شدید ہو جاتی ہے کہ انسان زندگی کے وجود سے ہی بے زار ہو کر خودکشی کی راہ اختیار کر لیتا ہے۔ مغربی طرزِ زندگی میں آزادی کا مفہوم وہ ہے جو انسان کو اللہ دین شریعت والدین اور معاشرے سے کاٹ دیتا ہے۔ اسلام آزادی کو ذمہ داری تقویٰ اور حدود کے دائرے میں رکھتا ہے جبکہ مغرب اسے مادر پدر آزادی کے نام پر فروغ

[1]۔ بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الادب، باب الحیاء من الایمان، جلد: 5، حدیث، 3483، صفحہ: 123

دیتا ہے۔ یہی طرزِ فکر جب مسلمان نوجوان کے ذہن میں منتقل ہوتا ہے تو وہ بغاوت بے راہ روی بے مقصدی اور روحانی خلا کا شکار ہو جاتا ہے۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا:

وَلَا تَتَّبِعِ ٱلْهَوَىٰ فَيُضِلَّكَ عَن سَبِيلِ ٱللَّهِ ۚ إِنَّ ٱلَّذِينَ يَضِلُّونَ عَن سَبِيلِ ٱللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ[1]

"اور اپنی خواہشِ نفس کی پیروی نہ کرو ورنہ وہ تمہیں اللہ کے راستے سے بھٹکا دے گی۔ بیشک جو لوگ اللہ کے راستے سے گمراہ ہوتے ہیں ان کے لیے سخت عذاب ہے۔"

یہی مغربی طرزِ زندگی انسان کو خواہشات کا غلام بنا دیتا ہے۔ انسان کو سکھایا جاتا ہے کہ "جو دل کرے وہی کرو" خواہ وہ عمل اخلاقی ہو یا غیر اخلاقی دینی ہو یا غیر دینی۔ یہ طرزِ فکر انسان کو وقتی لذت تو دے سکتا ہے مگر مستقل سکون اور روحانی اطمینان سے محروم رکھتا ہے۔ یہی روحانی اضطراب جب مسلسل بڑھتا ہے تو انسان خودکشی جیسی خطرناک حد تک پہنچ جاتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

لَيْسَ الْغِنَىٰ عَنْ كَثْرَةِ الْعَرَضِ وَلَٰكِنَّ الْغِنَىٰ غِنَى النَّفْسِ[2]

"حقیقی دولت مال و دولت کی فراوانی نہیں بلکہ دل کا غنی (مطمئن) ہونا ہے۔"

مغربی طرزِ زندگی انسان کے دل سے اس روحانی قناعت شکر صبر اور توکل کو چھین لیتا ہے جو اسلامی معاشرے میں انسان کو مشکلات کے باوجود ثابت قدم رکھتی ہے۔ وہاں **"ڈپریشن" "اینزائٹی" "لائف فیلنگ مینِس لیس" "سوسائیڈ تھاٹ"** جیسے الفاظ عام ہیں کیونکہ ان کا تصورِ حیات صرف دنیاوی کامیابی اور وقتی خوشی تک محدود ہے۔ مگر جب مسلمان نوجوان بھی یہی تصورِ حیات اپنا لیتا ہے تو وہ بھی انہی مہلک نفسیاتی اور روحانی بیماریوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ مزید برآں مغربی تہذیب کا سب سے بڑا ہتھیار میڈیا اور انٹرنیٹ ہے جو مغربی کلچر کو ہر گھر ہر جیب اور ہر ذہن میں منتقل کر رہا ہے۔ مغربی فلموں ڈراموں میوزک اور فیشن میں جو طرزِ زندگی دکھایا جاتا ہے وہ ایک خواب سا لگتا ہے۔ لیکن جب نوجوان اس خواب کو اپنی زندگی میں حقیقت نہ بنا پائے تو وہ مایوسی خود ترسی اور نفسیاتی شکست کا شکار ہو جاتا ہے۔ لٰہذا مغربی طرزِ زندگی کو اندھا دھند اپنانا ایک ایسا فکری خودکشی کا عمل ہے جو رفتہ رفتہ انسان کو حقیقی خودکشی کے دہانے تک پہنچا دیتا ہے۔

یعنی اسلام سے دوری خواہ کسی بھی صورت میں ہو خواہ وہ مغربی تہذیب کے اثرات ہوں یا دینی علم سے غفلت دونوں انسان کو زندگی کی وسعتوں کے بجائے تنگی بے سکونی اور آخر کار تباہی کی طرف لے جاتے ہیں۔

فردیت اور مادہ پرستی کا فروغ:

اسلامی معاشرہ اجتماعیت قربانی ہمدردی اور باہمی تعاون جیسے اعلیٰ اخلاقی اصولوں پر قائم ہے۔ لیکن جب معاشرے میں "فردیت" یعنی صرف اپنی ذات کو مقدم رکھنے کا رویہ رائج ہو جائے اور "مادہ پرستی" یعنی دولت شہرت اور دنیاوی کامیابی کو مقصدِ حیات بنا لیا جائے تو نتیجتاً معاشرتی تعلقات ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جاتے ہیں۔ انسان دوسروں کے دکھ درد سے کٹ کر ایک تنہا بے معنی اور خود ساختہ دنیائے نفس میں قید ہو جاتا ہے۔ یہی خود غرضی اور نفس پرستی رفتہ رفتہ اسے ایسی مایوسی احساسِ کمتری اور نفسیاتی تنہائی میں مبتلا کر دیتی ہے جو بالآخر خودکشی جیسے انتہائی اقدام

---

[1] ۔ ص:26

[2] ۔ بخاری، الجامع الصحیح، **کتاب الرقاق**، باب لیس الغنی عن کثرۃ العرض, جلد:5، حدیث، 6446، صفحہ:255

کی طرف لے جا سکتی ہے۔مادہ پرستی انسان کے باطن سے روحانیت اور قناعت کو چھین لیتی ہے۔ وہ یہ سمجھنے لگتا ہے کہ اگر دنیا میں شہرت دولت جسمانی خوبصورتی یا سوشل اسٹیٹس نہیں ہے تو زندگی بے معنی ہے۔ جب یہ جھوٹے پیمانے پورے نہ ہوں تو وہ فرد جو اپنے آپ کو دنیا کے معیار کے مطابق ناکام سمجھے اندر سے ٹوٹنے لگتا ہے۔قرآن مجید انسان کو نفس پرستی سے روکتے ہوئے فرماتا ہے:

أَفَرَءَيْتَ مَنِ ٱتَّخَذَ إِلَٰهَهُۥ هَوَىٰهُ وَأَضَلَّهُ ٱللَّهُ عَلَىٰ عِلْمٍ[1]

"کیا تم نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہشِ نفس کو اپنا معبود بنا لیا؟ اور اللہ نے اسے علم کے باوجود گمراہ کر دیا۔"

یہ آیت نہایت گہرائی سے انسان کے اس روحانی بحران کو بیان کرتی ہے جو نفس پرستی سے پیدا ہوتا ہے۔ اپنی خواہشات کو معبود بنا لینا دراصل اس بات کی علامت ہے کہ انسان اپنی ہدایت کا مرکز اللہ کو نہیں بلکہ اپنی مادی تمناؤں کو بنا چکا ہے۔اس حالت میں جب کوئی خواہش پوری نہ ہو تو وہ خود کو ناکام ادھورا اور غیر متعلق محسوس کرتا ہے اور یہی احساس بالآخر خودکشی کی ایک خطرناک وجہ بن سکتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

لَا يَشْبَعُ ابْنُ آدَمَ مِنْ ذَهَبٍ وَفِضَّةٍ وَلَوْ كَانَ لَهُ وَادِيَانِ لَابْتَغَىٰ لَهُمَا ثَالِثًا[2]

"ابنِ آدم سونے چاندی سے کبھی سیر نہیں ہوتا اگر اس کے پاس دو وادیاں ہوں تو وہ تیسری کی تمنا کرے گا۔"

یہ حدیث پاک درس دے رہی ہے کہ مادہ پرستی کبھی ختم ہونے والی نہیں بلکہ یہ پیاس ہمیشہ بڑھتی جاتی ہے۔اور جب اس پیاس کو بجھانے کے لیے دنیاوی وسائل ناکافی ثابت ہوں تو انسان کی سوچ میں "فرار" کا عنصر جنم لیتا ہے اور یہ فرار بعض اوقات خودکشی کی صورت میں ظہور پذیر ہوتا ہے۔ فردیت اور نفس پرستی کے نتیجے میں جو تنہائی پیدا ہوتی ہے وہ ایک خاموش عذاب ہے۔انسان صرف اپنے مسائل میں الجھ کر دوسروں کے درد کو محسوس کرنے سے قاصر ہو جاتا ہے۔ معاشرہ اجتماعی وحدت کے بجائے "میں" کے فلسفے میں تحلیل ہو جاتا ہے۔اسلام اجتماعیت ایثار اور ہمدردی کو دین کا مرکزی جزو قرار دیتا ہے۔ایک مؤمن دوسرے مؤمن کے لیے درد رکھتا ہے اس کے لیے دعا کرتا ہے اس کی مدد کرتا ہے۔جب یہ احساس مر جائے اور صرف اپنی ذات باقی رہ جائے تو انسان باقی دنیا سے کٹ کر اندر ہی اندر ختم ہونے لگتا ہے۔آج کے سوشل میڈیا مارکیٹنگ اور اشتہارات کے نظام نے نوجوانوں کو یہ سکھایا ہے کہ کامیابی وہی ہے جس کا فون مہنگا ہو جسم خوبصورت ہو لباس مہنگا ہو اور "لائف اسٹائل" مغربی ہو۔اس مصنوعی کامیابی کی دوڑ میں جب کوئی پیچھے رہ جائے تو وہ اپنی اہمیت ہی کھو بیٹھتا ہے۔اسلام اس تصورِ زندگی کو مکمل طور پر رد کرتا ہے۔کامیابی ایمان تقویٰ صبر قناعت حسنِ اخلاق اور اللہ کی رضا میں ہے نہ کہ مادی اشیاء کے انبار میں۔اگر ان حقائق کو نوجوانوں تک پہنچایا جائے تو مادہ پرستی کی اس دوڑ سے بچا جا سکتا ہے جو بالآخر مایوسی ذہنی دباؤ اور خودکشی تک لے جاتی ہے۔اگر آپ حکم دیں تو اگلا ذیلی عنوان نوجوانوں کے لیے رہنمائی کے اداروں کی کمی یا روحانی قیادت کا فقدان بھی اسی انداز میں تیار کر سکتا ہوں۔

سوشل میڈیا دکھاوا خود موازنہ:

موجودہ دور میں سوشل میڈیا ایک ایسا طاقتور آلہ بن چکا ہے جو نہ صرف معلومات کی ترسیل کا ذریعہ ہے بلکہ انسانی نفسیات جذبات تعلقات اور خودی (Self-identity) پر گہرا اثر ڈال رہا ہے۔خاص طور پر نوجوان نسل کی زندگی کا ایک بڑا حصہ ان "ورچوئل پلیٹ فارمز" پر گزرتا ہے جہاں لوگ اپنی زندگی کے صرف روشن پہلوؤں کو دکھاتے ہیں خوشی کامیابی دولت سیر و تفریح مہنگے ملبوسات ظاہری خوبصورتی وغیرہ۔

---

[1]۔الجاثیہ:23

[2]۔الصحیح مسلم، کتاب الزھد، باب القناعۃ وذم السؤال، جلد:4، حدیث:1048، صفحہ 2278

جب ایک عام نوجوان ان مناظر کو مسلسل دیکھتا ہے تو وہ لاشعوری طور پر اپنی زندگی کا موازنہ دوسروں سے کرنے لگتا ہے۔ وہ یہ سمجھنے لگتا ہے کہ وہ دوسروں کی طرح خوبصورت کامیاب یا خوش نہیں حالانکہ حقیقت میں وہ صرف مصنوعی جھلکیاں دیکھ رہا ہوتا ہے۔ یہ "خود موازنہ "(Self-comparison) ایک خطرناک ذہنی کیفیت کو جنم دیتا ہے جسے جدید نفسیات میں "Inferiority Complex" کہا جاتا ہے۔ یہ احساس رفتہ رفتہ مایوسی بے مقصدی احساسِ ناکامی اور آخر کار شدید ذہنی دباؤ (Depression) اور خودکشی کی جانب لے جاتا ہے۔ قرآن مجید انسان کو دنیا کے جھوٹے دکھاوے اور مال و دولت کی چمک دمک کے پیچھے بھاگنے سے روکتے ہوئے فرماتا ہے:

لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِۦٓ أَزْوَٰجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ ٱلْحَيَوٰةِ ٱلدُّنْيَا لِنَفْتِنَهُمْ فِيهِ ۚ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ[1]

"اور آپ اپنی آنکھیں اُن چیزوں کی طرف نہ بڑھائیں جو ہم نے ان میں سے مختلف لوگوں کو دنیاوی زندگی کی رونق کے لیے دی ہیں تاکہ ہم ان کو آزمائش میں ڈالیں اور آپ کے رب کا رزق ہی بہتر اور باقی رہنے والا ہے۔"

یہ آیت نہایت حکمت سے ہمیں متنبہ کرتی ہے کہ دنیا کی چمک دمک ایک "آزمائش" ہے اصل کامیابی وہ ہے جو اللہ کے رضا سے حاصل ہو۔ نبی کریم ﷺ نے دنیا کی حقیقت یوں بیان فرمائی:

مَنْ كَانَتِ ٱلدُّنْيَا هَمَّهُ فَرَّقَ ٱللَّهُ عَلَيْهِ أَمْرَهُ وَجَعَلَ فَقْرَهُ بَيْنَ عَيْنَيْهِ وَلَمْ يَأْتِهِ مِنَ ٱلدُّنْيَا إِلَّا مَا كُتِبَ لَهُ[2]

"جس کی ساری فکر دنیا ہو اللہ تعالیٰ اس کے معاملات کو منتشر کر دیتا ہے اس کی محتاجی کو اس کی آنکھوں کے سامنے رکھ دیتا ہے اور دنیا سے اسے وہی ملتا ہے جو اس کے لیے لکھ دیا گیا ہو۔"

یہ حدیث ان نفسیاتی و روحانی مسائل کی جڑ کی نشاندہی کرتی ہے جو اس وقت جنم لیتے ہیں جب انسان کی تمام توجہ دنیا کی چمک دمک پر مرکوز ہو جائے۔ سوشل میڈیا کے ذریعے جو مسلسل مقابلہ اور دکھاوا پیدا ہوتا ہے وہ اسی "ھم الدنیا" یعنی دنیا کے غم و فکر کا نتیجہ ہے۔ سوشل میڈیا کے جھوٹے معیار اور فلٹر شدہ حقیقتیں نوجوانوں کے ذہن میں غیر حقیقی توقعات پیدا کرتی ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ کامیابی وہی ہے جو انسٹاگرام پر نظر آتی ہے اور جو اس پیمانے پر پورا نہ اترے وہ ناکام ہے۔ یہ شعوری یا لاشعوری "احساسِ محرومی" آہستہ آہستہ ذہنی دباؤ اور روحانی بحران میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ اسلامی تعلیمات اس کے برعکس قناعت شکر عاجزی اور توکل سکھاتی ہیں۔ اگر نوجوانوں کو ان تعلیمات سے روشناس کرایا جائے اور ان کے ذہنوں میں یہ بات بٹھائی جائے کہ حقیقی کامیابی دنیا کی چکاچوند میں نہیں بلکہ دل کے سکون اخلاق کے حسن اور آخرت کی نجات میں ہے تو ہم اس خودکشی کے بڑھتے ہوئے رجحان کو روک سکتے ہیں۔

علماء کی عوامی رہنمائی میں کمی:

علماء کرام کسی بھی اسلامی معاشرے میں محض عبادات یا شرعی احکام کے شارح نہیں ہوتے بلکہ وہ روحانی فکری اخلاقی اور معاشرتی رہنمائی کے ستون بھی ہوتے ہیں۔ ماضی کی اسلامی تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ جب بھی امت کسی فکری سماجی یا اخلاقی بحران کا شکار ہوئی علماء نے نہ صرف فکری و عملی رہنمائی فراہم کی بلکہ اپنے کردار اور قربانی سے معاشرے کو نئی زندگی عطا کی۔ تاہم عصرِ حاضر میں خصوصاً گلگت جیسے دور افتادہ

---

[1]۔ طہٰ:131

[2]۔ سنن ابن ماجہ، **کتاب الزہد**، باب الھم فی الدنیا، رقم 4105، ج2، ص1395

خطوں میں یہ کردار مختلف وجوہات کی بنیاد پر کمزور ہوتا جارہا ہے۔ عوامی سطح پر علماء کا اثر کم ہوتا چلا جارہا ہے ان کی تقاریر محض مخصوص مواقع تک محدود ہوگئی ہیں اور نوجوانوں کے روزمرہ چیلنجز جیسے ذہنی تناؤ مایوسی بے مقصدی سوشل میڈیا کا فتنہ اور خودکشی جیسے سنگین مسائل پر براہ راست رہنمائی کا فقدان نمایاں ہے۔ قرآن مجید میں علمائے ربانی کی ذمہ داریوں کو واضح انداز میں بیان کیا گیا ہے:

وَإِذْ أَخَذَ ٱللَّهُ مِيثَٰقَ ٱلَّذِينَ أُوتُوا۟ ٱلْكِتَٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهُۥ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُونَهُۥ[1]

"اور جب اللہ نے ان لوگوں سے عہد لیا جنہیں کتاب دی گئی تھی کہ تم اسے ضرور لوگوں کے لیے واضح کروگے اور اسے چھپاؤگے نہیں۔"

یہ آیت علماء کو ایک واضح ذمہ داری سونپتی ہے کہ وہ کتابِ الٰہی اور دین کی تعلیمات کو معاشرے میں عام کریں چھپائیں نہیں۔ علم کا چھپانا یا اسے محدود کر دینا اصل میں ایک اجتماعی خیانت ہے۔ اسی طرح نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ ٱللَّهَ لَا يَقْبِضُ ٱلْعِلْمَ ٱنتِزَاعًا يَنتَزِعُهُۥ مِنَ ٱلنَّاسِ وَلَٰكِن يَقْبِضُ ٱلْعِلْمَ بِقَبْضِ ٱلْعُلَمَآءِ[2]

"اللہ علم کو لوگوں کے سینوں سے ایک دم نہیں نکالتا بلکہ علم کو علماء کے اٹھا لیے جانے سے ختم کرتا ہے۔"

یہ حدیث بتاتی ہے کہ جب علماء معاشرے سے دور ہو جائیں یا اپنی ذمہ داریوں سے غافل ہو جائیں تو گویا علم کا خاتمہ شروع ہو جاتا ہے۔ علم کے خاتمے کا مطلب ہے کہ قوم اندھیرے میں چلی جاتی ہے جس کا نتیجہ فکری انتشار اخلاقی انحطاط اور نفسیاتی تباہی کی صورت میں نکلتا ہے۔ گلگت جیسے معاشروں میں جہاں خواندگی کی سطح محدود اور وسائل ناکافی ہوں علماء کی رہنمائی کا کردار اور زیادہ اہم ہو جاتا ہے۔ اگر علماء معاشرے کے حقیقی مسائل خصوصاً نوجوانوں کے ذہنی بحران بے دلی اور خودکشی جیسے چیلنجز پر توجہ نہ دیں تو عوام کے لیے دین کی روشنی سے رہنمائی حاصل کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ یوں نوجوان وہی سہارے تلاش کرتے ہیں جو وقتی تسکین تو دیتے ہیں مگر روحانی خلا کو پُر نہیں کرتے اور یہی خلا رفتہ رفتہ مہلک راستے اختیار کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ علماء کو چاہیے کہ وہ مساجد مدارس خطباتِ جمعہ مجالس اور سوشل میڈیا جیسے جدید ذرائع کو استعمال کرتے ہوئے ان حساس مسائل پر بصیرت افروز اور مربوط رہنمائی فراہم کریں۔ اسلامی تاریخ میں حضرت امام غزالیؒ شاہ ولی اللہؒ امام ابن تیمیہؒ اور مولانا حسین احمد مدنیؒ جیسے اکابرین نے جس طرح وقت کی ضروریات کے مطابق اپنی علمی و اصلاحی خدمات پیش کیں آج کے علماء کے لیے وہی طریقہ نمونۂ عمل بن سکتا ہے۔

سماجی مسائل پر دینی پلیٹ فارمز کی خاموشی:

اسلام ایک جامع دین ہے جو صرف عبادات طہارت یا عقائد تک محدود نہیں بلکہ زندگی کے ہر پہلو میں رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کی سیرت اور خلفائے راشدین کی حکمرانی کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے نہ صرف دینی معاملات بلکہ سماجی اقتصادی سیاسی اور اخلاقی مسائل پر کھلی گفتگو کی رہنمائی فراہم کی اور عملی اقدامات اٹھائے۔ اس کے برعکس عصر حاضر کے دینی پلیٹ فارمز پر ایک عجیب خاموشی چھائی ہوئی ہے خصوصاً گلگت جیسے خطوں میں جہاں خودکشی بے راہ روی مادہ پرستی خاندانی ٹوٹ پھوٹ منشیات بے روزگاری اور ذہنی اضطراب جیسے مسائل تیزی سے پھیل رہے ہیں وہاں منبر و محراب سے ان معاملات پر مکمل سکوت اکثر دکھائی دیتا ہے۔ قرآن مجید انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا ایک مقصد یہ بیان کرتا ہے:

وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى ٱلْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِٱلْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ ٱلْمُنكَرِ ۚ وَأُو۟لَٰٓئِكَ هُمُ ٱلْمُفْلِحُونَ[3]

---

[1]۔ آل عمران: 187

[2]۔ بخاری، الجامع الصحیح، **کتاب العلم**، باب کیف یقبض العلم، رقم 100، ج 1، ص 46

[3]۔ آل عمران: 104

"اور تم میں ایک جماعت ایسی ضرور ہونی چاہیے جو بھلائی کی طرف بلائے نیکی کا حکم دے اور برائی سے روکے اور یہی لوگ کامیاب ہیں۔"
یہ آیت واضح کرتی ہے کہ دین کا پیغام صرف عبادات یا عقائد کا درس نہیں بلکہ معاشرے کی اصلاح برائیوں کی روک تھام اور فلاحی سرگرمیوں کی سرپرستی بھی ہے۔ اگر دینی ادارے ان برائیوں کے خلاف آواز بلند نہ کریں تو معاشرہ ان کا شکار ہو کر بکھرنے لگتا ہے۔ اسی طرح نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

مَنْ رَّأَىٰ مِنكُمْ مُّنكر ا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِۦ فَإِن لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِۦ فَإِن لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِۦ وَذَٰلِكَ أَضْعَفُ ٱلْإِيمَٰنِ[1]

"تم میں سے جو کوئی برائی دیکھے وہ اسے ہاتھ سے روکے اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو زبان سے اور اگر اس کی بھی استطاعت نہ ہو تو دل سے (برا جانے) اور یہ کمزور ترین ایمان ہے۔"

یہ حدیث واضح کرتی ہے کہ برائی کو خاموشی سے دیکھنا ایمان کی کمزوری کی علامت ہے اور اگر دینی پلیٹ فارمز اور ادارے معاشرتی مسائل پر گفتگو اور اقدام سے گریز کریں تو ان کی خاموشی نہ صرف دین کے پیغام کے خلاف ہے بلکہ ایمان کی کمزوری کی علامت بھی بن جاتی ہے۔ گلگت جیسے علاقوں میں دینی اجتماعات مساجد کے خطبات مدارس کی کلاسز اور مذہبی کانفرنسیں عمومی طور پر عقائد فقہ یا مخصوص عبادات پر مرکوز رہتی ہیں لیکن جو حقیقی سماجی مسائل نوجوانوں کو تباہی کی طرف دھکیل رہے ہیں جیسے نفسیاتی دباؤ بے مقصدی والدین کی بے توجہی تعلیم کا فقدان سوشل میڈیا کی یلغار اور بالآخر خودکشی ان پر گفتگو یا رہنمائی ناپید ہے۔ ایسے میں نوجوان غیر مذہبی مغربی یا ذہنی مریضانہ نظریات کی طرف مائل ہو جاتے ہیں کیونکہ دینی پلیٹ فارم انہیں وہ راستہ نہیں دکھا پاتے جس کی وہ تلاش میں ہوتے ہیں۔ دینی پلیٹ فارمز کو صرف حلال و حرام کی فہرستوں سے نکل کر سماجی خدمت اور شعور بیداری کے میدان میں بھی آنا ہوگا۔ نبی کریم ﷺ نے جب معاشرتی اصلاح کا آغاز کیا تو وہ صرف نماز روزے کی دعوت نہ تھی بلکہ یتیموں کے سروں پر ہاتھ رکھنا مظلوموں کی حمایت کرنا سود اور ناانصافی کے خلاف آواز بلند کرنا اور ہر سطح پر سماجی فلاح کو فروغ دینا اس دعوت کا حصہ تھا۔

تعلیمی نظام میں مذہب کا کم اثر:

علم انسان کی فطری اور دینی ضرورت ہے جس کے ذریعے نہ صرف ذہن کو جلا ملتی ہے بلکہ شخصیت کی تعمیر کردار کی تشکیل اور معاشرتی نظم کو بھی استحکام حاصل ہوتا ہے۔ اسلامی نقطۂ نظر سے علم کا مقصد محض دنیاوی مہارتوں کا حصول نہیں بلکہ انسان کو اس کے رب اس کی ذمہ داریوں اور آخرت کی جوابدہی کا شعور دینا بھی ہے۔ بدقسمتی سے موجودہ دور کا تعلیمی نظام خاص طور پر پاکستان جیسے اسلامی ریاست میں ایک ایسے سانچے میں ڈھل چکا ہے جو مذہب سے دور اخلاقی تربیت سے خالی اور مادی کامیابیوں تک محدود ہے۔ گلگت جیسے روایتی و مذہبی پس منظر رکھنے والے علاقوں میں جب تعلیم بھی روحانیت سے خالی ہو جائے تو نوجوان نسل ایک ایسی سمت میں دھکیلی جاتی ہے جہاں خدا آخرت قناعت توکل اور صبر جیسے بنیادی اقدار صرف کتابوں تک محدود ہو کر رہ جاتے ہیں۔ قرآن مجید علم کا مقصد انسان کی ہدایت اور روحانی ترقی قرار دیتا ہے:

هُوَ ٱلَّذِى بَعَثَ فِى ٱلْأُمِّيِّۦنَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُواْ عَلَيْهِمْ ءَايَٰتِهِۦ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ ٱلْكِتَٰبَ وَٱلْحِكْمَةَ وَإِن كَانُواْ مِن قَبْلُ لَفِى ضَلَٰلٍ مُّبِينٍ[2]

---

[1]۔ الصحیح مسلم، **کتاب الایمان**، باب بیان کون النھی عن المنکر من الایمان، رقم 49، ج 1، ص 69

[2]۔ البقرۃ: 62

"وہی ہے جس نے اُمّیوں میں ایک رسول بھیجا جو ان کے سامنے اس کی آیتیں تلاوت کرتا ہے ان کو پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت سکھاتا ہے حالانکہ وہ پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔"

یہ آیت اسلامی تعلیم کے تین بنیادی مقاصد کو واضح کرتی ہے: (1) آیات کی تلاوت یعنی فہمِ دین (2) تزکیۂ نفس یعنی اخلاقی و روحانی تطہیر اور (3) علمِ کتاب و حکمت یعنی شعور و حکمت کا فروغ۔ مگر جب موجودہ تعلیمی ادارے محض سائنسی و فنی مہارتوں کی ترسیل کا ذریعہ بن جائیں اور دین و اخلاق کو نصابی بوجھ کے طور پر برتیں تو معاشرے میں ایمانی خلا جنم لیتا ہے جو بالآخر ذہنی تناؤ روحانی بے سمتی اور حتیٰ کہ خودکشی جیسے المناک نتائج کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ دینی تعلیم کے بظاہر موجود ہونے کے باوجود اس کا حقیقی اثر صرف رسمی ہے۔ طلبہ محض رٹے کے ذریعے دینی مضامین میں کامیابی حاصل کرتے ہیں لیکن ان کے دل و دماغ میں وہ تاثیر منتقل نہیں ہوتی جو شخصیت سازی کے لیے ضروری ہے۔ نماز روزہ صبر دعا توکل قربانی اور قناعت جیسے تصورات صرف تعلیمی اداروں کے نصاب میں موجود ہوتے ہیں زندگی میں نہیں۔ اس خلا کے سبب نوجوان نسل بحرانِ شناخت بے مقصدیت اور روحانی افلاس کا شکار ہو جاتی ہے اور جب ان مسائل کا کوئی باوقار حل انہیں تعلیمی اداروں میں نہیں ملتا تو وہ مایوسی ذہنی دباؤ اور کبھی کبھار خودکشی جیسے انتہائی قدم کی طرف بھی راغب ہو جاتے ہیں۔ اس مسئلے کی جڑ یہ ہے کہ ریاستی سطح پر تعلیمی پالیسی میں مذہب کو محض ایک "سبجیکٹ" کے طور پر دیکھا گیا ہے نہ کہ پوری تعلیمی روح کے طور پر۔ مذہب کا تعلق صرف "اسلامیات" کی درسی کتاب سے جوڑ دینا ایک سطحی تعبیر ہے۔ درحقیقت اگر اسلامی تعلیم کو ایک فکری اخلاقی اور روحانی محور کے طور پر پوری نصابی و تدریسی فضا میں رائج کیا جائے تو نہ صرف معاشرے میں ایمانی شعور بیدار ہو سکتا ہے بلکہ نئی نسل خودکشی جیسے ہولناک رجحانات سے بھی بچائی جا سکتی ہے۔

قانون سازی اور معاشرتی پالیسیوں میں دین کا کمزور عمل دخل:

اسلامی ریاست کا تصور ایک ایسی حکومتی اور سماجی اکائی پر مبنی ہے جہاں دین نہ صرف فرد کی انفرادی زندگی میں رہنمائی کرتا ہے بلکہ ریاست کے تمام شعبہ جات قانون معیشت تعلیم عدلیہ اور ذرائع ابلاغ میں بھی اس کی بالادستی قائم ہو۔ قرآن اور سنت کی روشنی میں مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کی اساس بھی شریعت الٰہی ہونی چاہیے۔ لیکن موجودہ پاکستانی معاشرہ بالخصوص گلگت جیسے خطے میں جہاں دین و ثقافت ایک گہری ہم آہنگی رکھتے تھے اب ایک ایسی حالت کو پہنچ چکا ہے جہاں ریاستی سطح پر بننے والے قوانین اور معاشرتی پالیسیوں میں اسلامی اقدار کا اثر نہایت محدود ہو چکا ہے۔ اس دینی کمزوری کا نتیجہ یہ ہے کہ معاشرے میں گناہ اور نافرمانی کو نہ تو قانونی رکاوٹ کا سامنا ہوتا ہے نہ ہی اخلاقی و سماجی شرمندگی کا اور اس کا اثر بالآخر روحانی زوال بے یقینی بے سکونی اور خودکشی جیسے انتہائی عمل پر پڑتا ہے۔ قرآن مجید ایک ایسے نظام کا مطالبہ کرتا ہے جہاں فیصلے محض انسانی خواہشات پر نہیں بلکہ الٰہی احکامات کے مطابق کیے جائیں:

وَأَنِ ٱحْكُم بَيْنَهُم بِمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ ٱلْحَقِّ[1]

"اور آپ ان کے درمیان اسی (قانون) کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ نے نازل فرمایا ہے اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں اس حق کے بارے میں جو آپ کے پاس آ چکا ہے۔"

یہ آیت نہ صرف قاضی اور حاکم کو دین کے مطابق فیصلے کرنے کا پابند کرتی ہے بلکہ ایک اصولی پیغام بھی دیتی ہے کہ ریاست کا نظام حق کی بنیاد پر قائم ہونا چاہیے نہ کہ خواہشات مفادات یا مغربی ماڈلز کی پیروی پر۔ لیکن آج ہم مشاہدہ کرتے ہیں کہ خودکشی جیسے سنگین مسئلے پر بھی ریاستی

---

[1] ۔الفتح:5

قوانین اور پالیسیوں میں دینی زاویہ تقریباً ناپید ہے۔ جہاں ایک طرف خودکشی کو محض "ذہنی بیماری" یا "سائیکالوجیکل بحران" کے تناظر میں دیکھا جاتا ہے وہیں دینی اور روحانی عوامل کو سرے سے نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ معاشرتی پالیسیوں میں دین کی غیر موجودگی نے نوجوان نسل کو ایسے ماحول میں دھکیل دیا ہے جہاں صبر توکل قناعت دعا اور رضا جیسے مفاہیم اجنبی بن چکے ہیں۔ ان کی تربیت مادہ پرستانہ اور انفرادیت پر مبنی اصولوں پر ہو رہی ہے جو کہ محض وقتی کامیابی اور ذاتی تسکین کو زندگی کا مقصد بناتے ہیں۔ ایسے حالات میں جب وہ ناکامی تنہائی یا ذہنی دباؤ سے دوچار ہوتے ہیں تو ان کے پاس روحانی آسرا نہیں ہوتا وہی آسرا جو اگر معاشرتی و ریاستی سطح پر دینی طور پر تقویت دی جاتی تو انہیں سہارا دیتا اور شاید وہ زندگی سے مایوس نہ ہوتے۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ ہماری پارلیمانی قانون سازی میں دین کا اثر صرف رسمی اور نمائشی ہے۔ اگر کسی پالیسی میں "اسلامی اقدار" کا ذکر بھی آجائے تو وہ صرف اخلاقی جملہ بن کر رہ جاتا ہے جس پر نہ کوئی عمل درآمد ہوتا ہے نہ ہی ریاستی مشینری اسے عملی جامہ پہنانے کی کوشش کرتی ہے۔ یوں نوجوان نسل نہ قانون سے ڈرتی ہے نہ اللہ سے کیونکہ دونوں کی نمائندگی ان کی زندگیوں میں موجود نہیں۔ اس صورتِ حال کا حل یہ ہے کہ قانون سازی کا عمل محض جمہوری اکثریت یا مغربی قانونی اصولوں کے بجائے قرآن و سنت کی روشنی میں انجام دیا جائے۔ خودکشی جیسے مسائل پر اسلامی تعلیمات کی روشنی میں سماجی نفسیاتی اور قانونی سطح پر اقدامات کیے جائیں۔ جب تک قانون و پالیسی میں دین کا اثر مضبوط نہیں ہوگا تب تک ایمانی قوت کمزور رہے گی اور یہ کمزوری زندگی کی قدر و قیمت ختم کر کے افراد کو ہلاکت کی راہوں پر ڈالتی رہے گی۔

عوام تک شرعی احکام نہ پہنچنا:

اسلام ایک ایسا دین ہے جو زندگی کے ہر پہلو پر مکمل رہنمائی فراہم کرتا ہے اور انسانی جان کی حرمت کو سب سے اعلیٰ مقام دیتا ہے۔ قرآن و سنت کی تعلیمات میں خودکشی کو صریحاً حرام اور شدید گناہ قرار دیا گیا ہے۔ فقہی روایت میں یہ مسئلہ صدیوں سے زیرِ بحث ہے اور ہر مکتبِ فکر کے علمائے کرام نے اس پر متفقہ فتویٰ دیا ہے کہ خودکشی نہ صرف حرام ہے بلکہ دنیا و آخرت میں سخت عذاب کا سبب بھی ہے۔ تاہم گلگت جیسے مذہبی طور پر حساس اور ثقافتی طور پر مربوط خطے میں خودکشی کی بڑھتی ہوئی شرح اس بات کی علامت ہے کہ یہ شرعی احکام محض کتابوں فتاویٰ کی جلدوں یا دینی کانفرنسوں تک محدود ہو کر رہ گئے ہیں۔ عوام الناس خصوصاً نوجوان نسل ان احکام اور دینی موقف سے یا تو کلی طور پر ناواقف ہے یا ان تک ان احکام کی مؤثر ترسیل نہیں ہو پاتی۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے صراحت سے منع فرمایا ہے۔

احادیث اور آیات ایسی فقہی بنیاد فراہم کرتی ہیں جن پر تقریباً ہر فقہ کی کتاب میں خودکشی کی حرمت پر فتویٰ موجود ہے۔ تاہم مسئلہ یہاں صرف فتویٰ کی موجودگی کا نہیں بلکہ ان فتاویٰ کی عدمِ ترسیل کا ہے۔ مدارس مساجد دینی ادارے اور ریاستی فتویٰ کمیٹیاں اگرچہ علمی حلقوں میں اس مسئلے کو بارہا اٹھا چکی ہیں لیکن عوامی سطح پر اس کی تشہیر اور ابلاغ نہایت کمزور رہا ہے۔

آج کے جدید ذرائع ابلاغ کے دور میں جب ہر شخص سوشل میڈیا یوٹیوب یا ٹی وی سے متاثر ہوتا ہے وہاں دین کی آواز سنائی نہیں دیتی۔ نہ تو فتویٰ بورڈز کی ویب سائٹس میں عام فہم زبان میں یہ پیغام دیا جاتا ہے نہ مقامی مساجد میں خودکشی کی حرمت کو موضوعِ خطبہ بنایا جاتا ہے اور نہ ہی مدارس میں نفسیاتی و سماجی پس منظر میں ان احکام کی تفہیم کروائی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نوجوان جب زندگی کی کسی گھاٹی سے گزرتے ہیں تو ان کے ذہن میں نہ کوئی شرعی ممانعت کا تصور ہوتا ہے نہ اخروی سزا کا خوف اور نہ ہی کسی عالمِ دین کی رہنمائی تک رسائی یہ خلا اس وقت اور بڑھ جاتا ہے جب دینی خطابات اور فتاویٰ صرف علمی اور پیچیدہ زبان میں پیش کیے جاتے ہیں جو کہ ایک عام فرد کے فہم سے بالا ہوتی ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ان فتاویٰ کو عوامی زبان میں بصری اور سماعی ذرائع کے ذریعے عام کیا جائے۔ آئمہ مساجد خطباء میڈیا اسکالرز اور دینی ادارے معاشرتی شعور بیدار کریں اور خودکشی کے مسئلے کو صرف نفسیاتی نہیں بلکہ دینی اور روحانی مسئلہ بنا کر پیش کریں۔

سزاؤں اور آخرت کے خوف کی غیر موجودگی:

اسلامی تصورِ حیات میں انسان کی عملی زندگی کا محور دنیا کے ساتھ ساتھ آخرت کا شعور ہے۔ قرآن و سنت میں بار بار اس حقیقت کی نشاندہی کی گئی ہے کہ دنیا ایک آزمائش ہے اور انسان کو اس کے ہر عمل کا حساب دینا ہوگا۔ یہی یقین ایک مومن کو جرم ظلم اور نافرمانی سے باز رکھتا ہے۔ مگر جب معاشرے میں آخرت کا تصور ماند پڑ جائے اعمال کے انجام کا خوف ختم ہو جائے اور سزا و جزا کی فکر کمزور ہو جائے تو انسان صرف لمحۂ موجود کی آسودگی کو مقصدِ حیات سمجھنے لگتا ہے۔ یہی کیفیت خودکشی کے بڑھتے ہوئے رجحان کی ایک گہری روحانی وجہ ہے کیونکہ انسان جب دنیاوی مشکلات سے تھک جاتا ہے اور آخرت کی جوابدہی کو فراموش کر بیٹھتا ہے تو وہ زندگی کے اسبابِ حرمت کو ترک کر دیتا ہے اور ہلاکت کا راستہ چن لیتا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے واضح الفاظ میں بیان فرمایا:

فَأَمَّا مَن طَغَىٰ وَءَاثَرَ ٱلْحَيَوٰةَ ٱلدُّنْيَافَإِنَّ ٱلْجَحِيمَ هِىَ ٱلْمَأْوَىٰ [1]

"پھر جس نے سرکشی کی اور دنیا کی زندگی کو ترجیح دی تو یقیناً جہنم ہی اس کا ٹھکانا ہے۔"

اسی طرح حدیث مبارکہ میں رسول اللہ ﷺ نے خودکشی کے مرتکب کے انجام پر نہایت سخت وعید سنائی ہے:

الَّذِي يَطْعَنُ نَفْسَهُ بِحَدِيدَةٍ فَحَدِيدَتُهُ فِي يَدِهِ يَجَأُ بِهَا فِي بَطْنِهِ فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدًا مُخَلَّدًا فِيهَا أَبَدًا[2]

"جو شخص اپنے آپ کو کسی لوہے کے ہتھیار سے مارے گا وہ ہتھیار اس کے ہاتھ میں ہوگا اور وہ اسے جہنم کی آگ میں ہمیشہ ہمیشہ اپنے پیٹ میں مارتا رہے گا۔"

---

[1]۔ الصافات: 79/39

[2]۔ بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الطب، باب من شرب سمًا فقتل بہ نفسہ، رقم 5778، ج5، ص216

خلاصہ

اسلامی معاشرے میں خودکشی کے بڑھتے ہوئے رجحانات صرف نفسیاتی یا معاشی مسئلہ نہیں بلکہ دینی فکری اور تہذیبی بحران کی نشاندہی بھی کرتے ہیں۔اس فصل میں ہم نے جس طرح خودکشی کے مختلف دینی وروحانی اسباب کو تفصیل سے واضح کیا اس سے یہ بات اظہر من الشمس ہو گئی کہ اسلامی معاشرہ جب اپنے دینی اصولوں ایمانی تعلیمات اور اخلاقی اقدار سے دور ہو جاتا ہے تو خودکشی جیسے غیر فطری عمل کو قبول کرنے لگتا ہے جو کہ سراسر اسلام کے بنیادی تصورِ حیات کے منافی ہے۔سب سے بنیادی اور نمایاں عامل ایمانی کمزوری اور روحانی خلا ہے۔جب فرد کا اللہ پر توکل صبر قناعت اور دعا سے رشتہ ٹوٹنے لگتا ہے تو وہ زندگی کی سختیوں سے فرار چاہتا ہے۔دینی عقائد کی کمزوری اور عبادات سے دوری روح کو بے سکون کر دیتی ہے اور پھر انسان اپنے ہی وجود سے بیزار ہو جاتا ہے۔قرآن وسنت کی تعلیمات نے بارہا اس بات کو واضح کیا ہے کہ مومن صبر کرتا ہے اللہ پر بھروسہ کرتا ہے اور ہر آزمائش میں ثواب کا امیدوار ہوتا ہے لیکن جب یہ بنیادیں ہل جائیں تو انسان معنویت سے خالی ہو کر خود کو بے قیمت سمجھنے لگتا ہے۔اسی طرح دینی تعلیم کا فقدان اور مدرسہ ومسجد کے کردار کا زوال بھی اس بحران کا ایک اہم سبب ہے۔اسلام میں مسجد اور مدرسہ نہ صرف عبادت کے مراکز ہیں بلکہ روحانی تربیت سماجی رہنمائی اور اخلاقی شعور کا محور بھی ہیں۔لیکن بدقسمتی سے یہ ادارے رسمی عبادات تک محدود ہو چکے ہیں جبکہ نوجوان نسل اخلاقی وروحانی سوالات کے جوابات انٹرنیٹ یا فیشن زدہ ذہنوں سے لینے پر مجبور ہو چکی ہے۔قرآن حدیث اور اخلاقی تعلیمات سے ناواقفیت کا یہ خلا نوجوان کو مذہبی لحاظ سے بنجر کر دیتا ہے۔نظام تربیت میں فقدان خصوصاً گھریلو تربیت کا بحران والدین اور بڑوں کی غفلت اور تعلیمی اداروں کا محض نصابی مراکز بن جانا وہ عوامل ہیں جو شخصیت کو اندر سے کمزور کرتے ہیں۔جب گھروں میں بچوں کی جذباتی وروحانی تربیت نہیں ہوتی والدین وقت نہیں دیتے اور تعلیمی ادارے انسان سازی کے بجائے محض ڈگری فراہم کرتے ہیں تو معاشرہ ایسے افراد پیدا کرتا ہے جو خارجی طور پر تعلیم یافتہ لیکن داخلی طور پر بے سمت ہوتے ہیں۔مزید برآں مذہبی اقدار کی پامالی فحاشی وبے حیائی پر مبنی میڈیا کلچر اور مغربی طرز زندگی کا اندھا تقلیدی رجحان نے ہمارے معاشرے کی دینی شناخت کو مسخ کر دیا ہے۔حیا صبر تواضع اور قناعت جیسے اسلامی اوصاف کو دقیانوسی سمجھا جانے لگا ہے جبکہ نفس پرستی خودغرضی اور سوشل میڈیا پر دکھاوا حسد اور موازنہ عام ہو چکا ہے۔ان عناصر نے فرد کو مادہ پرستی کے ایسے چکر میں ڈال دیا ہے جہاں روحانیت دین داری اور اخلاقی دیانت کے لیے کوئی جگہ باقی نہیں بچتی۔اسی فصل میں ہم نے یہ بھی واضح کیا کہ دینی اداروں کا کمزور سماجی کردار علماء کی عوامی رہنمائی میں کمی اور سماجی مسائل پر دینی پلیٹ فارمز کی خاموشی بھی ان وجوہات میں شامل ہیں جو عوام کو دینی راہنمائی سے دور کر رہی ہیں۔ جب علماء صرف مخصوص مذہبی امور تک محدود ہو جائیں اور عصر حاضر کے حقیقی چیلنجز جیسے ذہنی صحت خودکشی خاندانی بحران پر گفتگو نہ کریں تو عوام فکری خلاء میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ریاستی سطح پر بھی اسلامی تعلیمات کی کمزوری واضح نظر آتی ہے۔ تعلیمی نظام میں دین کا اثر معمولی ہوتا جا رہا ہے اور قانون سازی ومعاشرتی پالیسیوں میں دین کی رہنمائی کو نظرانداز کیا جا رہا ہے۔اس کے نتیجے میں ایک ایسا نظام پروان چڑھتا ہے جو روحانی ضروریات کو نظرانداز کرتا ہے اور محض دنیاوی کامیابی کو زندگی کا مقصد بناتا ہے۔آخر میں سب سے اہم نکتہ یہ ہے کہ خودکشی کے خلاف اسلامی فتوے اور شرعی تعلیمات اگرچہ علمی حلقوں میں موجود ہیں لیکن وہ عوام تک مؤثر انداز میں نہیں پہنچتیں۔فتویٰ صرف کتابوں بورڈز اور علمی سیمینارز تک محدود ہے جبکہ عام آدمی خصوصاً نوجوان نہ تو انہیں جانتا ہے نہ ان کی زبان واسلوب سمجھتا ہے۔اس کمی کو دور کیے بغیر معاشرے میں خودکشی جیسے سنگین مسائل کا تدارک ممکن نہیں۔خلاصہ یہ کہ جب اسلامی معاشرہ دینی شعور اخلاقی تعلیمات روحانی تربیت اور اللہ کی طرف رجوع کے بجائے دنیا پرستی نفس پرستی اور وقتی جذبات کے تابع ہو جاتا ہے تو خودکشی جیسا قبیح فعل سماجی روایت بن جاتا ہے۔اس فصل میں پیش کیے گئے تمام نکات اس حقیقت کو مدلل انداز میں واضح کرتے ہیں کہ خودکشی کی روک تھام کے لیے محض نفسیاتی یا سماجی نہیں بلکہ گہری دینی فکری اور روحانی اصلاح ناگزیر ہے۔

فصل سوم: گلگت میں خودکشی کی شرح اور انٹرویوز

گلگت میں واقع ہونے والی خودکشی کی شدّت:

گلگت میں خودکشی کے واقعات پر جو تفصیلی اور مستند معلومات دستیاب ہیں، وہ درج ذیل ہیں:

ڈسٹرکٹ غذر میں خودکشیوں کی شدت:

پچھلے 44 سالوں میں گلگت میں پیش آنے والے خودکشی کے 75 فیصد واقعات صرف ضلع غذر میں ہوئے، حالانکہ اس کی آبادی کل کا صرف تقریباً 12 فیصد ہے۔ 1978 تا 2007 میں اس ضلع میں 50 افراد خودکشی کر چکے تھے، جبکہ 2008 تا جون 2022 میں یہ تعداد 294 تک پہنچ گئی۔ یعنی تقریباً پانچ گنا اضافہ ہوا ہے۔

مجموعی رجحانات (2022–2001):

گلِت کے تمام اضلاع میں سے سب سے زیادہ خودکشی کے واقعات ضلع غذر میں ہوئے۔ 2001 سے لے کر 2022 تک، پولیس نے مجموعی طور پر 412 خودکشی کے واقعات درج کیے، جن میں سے 294 واقعات غذر میں رپورٹ ہوئے — جو کل کا تقریباً 72% بنتا ہے۔ 2001–2022 میں ضلع غذر میں سالانہ اوسط 20 سے 25 خودکشیوں کے برابر تھی۔

پہلے چند برسوں کی صورتحال (2000–2004):

2000 سے 2004 کے دوران، عورتوں کے حوالے سے 49 خودکشی کے واقعات ہوئے۔ اس کے نتیجے میں خواتین کے لیے:

کل خام شرح: 14.89 عمر 15–24 سال کی خواتین میں شرح: 61.07 تھی۔[1]

حالیہ بنیاد پر رجحانات (2022–2024):

سال 2022 کے ابتدائی چھ ماہ میں 19 خودکشی کے واقعات درج ہوئے، حالانکہ پولیس کا کہنا تھا کہ ان میں سے چار واقعے دراصل قتل تھے، جو خودکشی کے طور پر رپورٹ کیے گئے تھے۔ سال 2024 میں گلگت میں رپورٹ ہونے والی 46 خودکشیوں میں ضلع غذر نے سب سے زیادہ حصہ رکھا، جہاں 13 مرد اور 13 خواتین نے اپنی جانیں گنوانے کی اطلاع ملی۔ پچھلے سال 2023 میں غذر میں 10 مرد اور 5 خواتین نے خودکشی کی، یعنی مجموعی تعداد 15 تھی۔[2]

---

[1] ۔انٹرویو، تھانہ رپورٹ، گلگت، بتاریخ: 04-04-2025

[2] ۔ایضاً

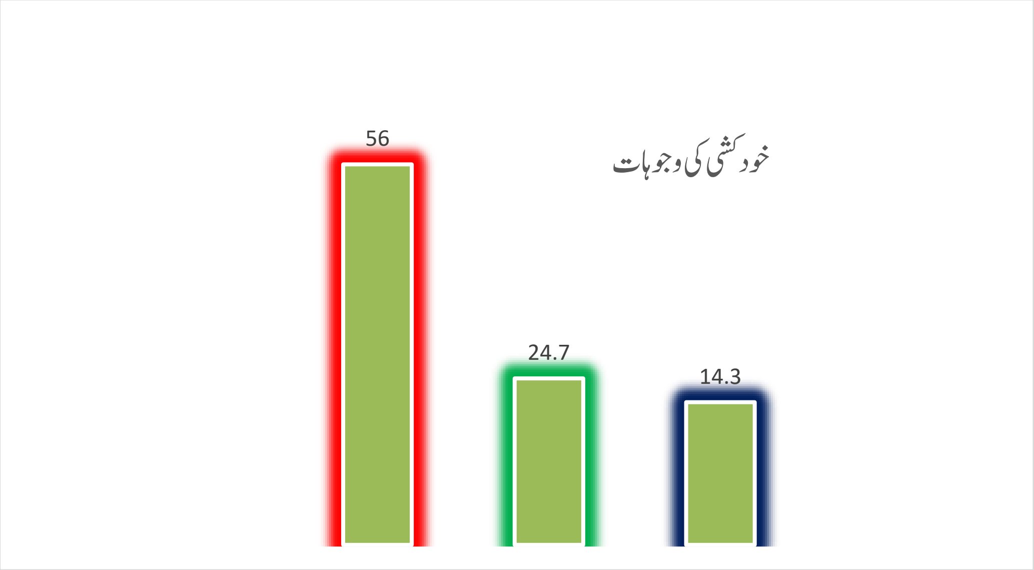

56%لوگوں نے ذہنی مرض میں مبتلا ہونے کی وجہ سے خودکشی کی ہے۔

24.7%لوگوں نے گھریلو ناچاکی کی وجہ سے خودکشی کی ہے۔

14.3%لوگ نامعلوم وجوہات کی بنیاد پر خودکشی کرتے ہیں ۔

جدول:

مدت/سال	کل خودکشی (غذر)	شرح
2004-2000	49خواتین	14.89%
2022-2001	294واقعات	72%تقریباً
2022(سال کے آغاز تک)	19واقعات	8مرد+11خواتین
2023	44واقعات	24مرد+20خواتین
2024	46واقعات	27مرد+19خواتین

جنسی اور عمر کے اعتبار سے تقسیم:

2012 سے مارچ 2022 کے دوران پولیس کے مطابق 340 معاملات رجسٹر ہوئے۔ ان میں 53% خواتین (179 افراد)، 59% غیر شادی شدہ (202 افراد) اور 40% افراد کی عمر 20 سال سے کم تھی (136 افراد)۔ تقریباً 73% معاملات میں ذہنی دباؤ اور ذہنی امراض کو خودکشی کی وجہ قرار دیا گیا (247 کیسز)۔ عام طریقے پھندا ڈالنا (41%, 141 افراد) اور فائر آرمز کا استعمال (25%, 85 افراد) تھے۔ مرد زیادہ تر فائر آرمز استعمال کرتے ہوئے مرتے، جبکہ عورتوں میں زہریلے مادے یا نہا کر خودکشی زیادہ عام رہی۔[1]

سال 2024 میں خودکشی کے واقعات:

سال 2024 میں گلگت بلتستان میں کم از کم 46 خودکشی (suicide) کے واقعات رپورٹ ہوئے، جن میں 27 مرد اور 19 خواتین شامل تھیں۔[2]

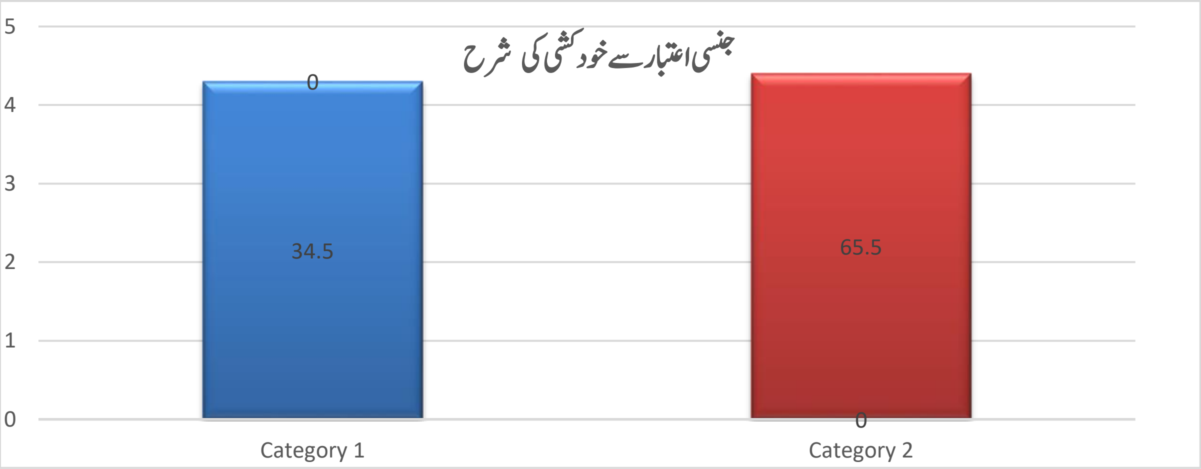

مردوں کی تعداد 34.5 فیصد ہے۔

عورتوں کی تعداد 65.5 فیصد ہے۔

---

[1] ۔ انٹرویو، تھانہ رپورٹ، گلگت، بتاریخ: 04-04-2025

[2] ۔ ایضاً

ضلع وار

خواتین	مرد	ضلع
13	13	غذر
3	6	گلگت
1	2	اسکردو
0	2	دیامر
1	3	ہنزہ
1	0	گانچھے
0	1	نگر

2023 کے مقابلے میں دوگنا اضافہ:

سال 2023 میں 44 خودکشیوں کے واقعات رپورٹ ہوئے تھے، جن کے مقابلے میں یہ تعداد 2024 میں دوگنی ہو چکی ہے (89 رپورٹڈ کیسز)۔

2022 کے مقابلے میں اضافہ:

2020 سے 2023 تک خودکشیوں میں کمی کا رجحان تھا، لیکن 2024 میں اس میں واضح اضافہ ہوا ہے۔مزید یہ کہ 2022 میں 65 کیسز رپورٹ ہوئے۔ جو 2021 کی نسبت دوگنے ہیں اور اس کی وجوہات میں بے روزگاری، تعلیمی دباؤ، سماجی بدگمانی، اور ذہنی صحت کی سہولتوں کا فقدان شامل ہے۔[1]

حکومتی رد عمل اور اقدام:

حکومتی اور سماجی سطح پر اقدامات:

2025 میں حکومت گلگت میں ایک ورکشاپ منعقد کی گئی، جس میں "Suicide Hotline"، سیف سینٹرز، نفسیاتی تشخیص کے اقدامات اور مشتبہ خودکشیوں کے لیے تحقیقاتی ڈیٹا سنٹر کے قیام کی سفارشات پیش کی گئیں۔

غذر ڈسٹرکٹ کے لیے خصوصی کمیٹی:

2022 میں غذر میں بڑھتے خودکشی واقعات کے پس منظر میں ایک 18 رکنی تحقیقاتی کمیٹی تشکیل دی گئی، جس کی سربراہی ڈپٹی اسپیکر گلگت بلتستان اسمبلی کر رہے تھے۔ حالانکہ اقدامات کیے گئے، مگر مؤثر کمی کافی الحال مشاہدہ نہیں کیا گیا۔

---

[1]۔انٹرویو، تھانہ رپورٹ، گلگت، بتاریخ: 2025-04-04

گلگت میں خودکشیوں کے واقعات میں خاص طور پر ضلع غذر میں زبردست اضافہ ہوا ہے، جہاں ماضی تین عشروں میں صرف 50 کیسز تھے، مگر 2008 سے 2022 کے دوران یہ تعداد 294 تک پہنچ گئی۔ مجموعی طور پر 2012–2022 میں 340 واقعات رجسٹر ہوئے، جن میں اکثریت نوجوان، غیر شادی شدہ، اور خواتین تھی، اور ذہنی دباؤ یا امراض کو بڑی وجہ تسلیم کیا گیا۔ 2024 میں خودکشیوں کی تعداد (46) 2023 کے 44 سے دوگنی ہوگئی، جو بتاتی ہے کہ موجودہ حکمت عملی کم مؤثر ہو رہی ہے۔ حکومت نے متعدد اقدامات شروع کیے ہیں، لیکن تاحال کمی واضح نہیں ہوئی۔[1]

ضلع ہنزہ میں خودکشی کے اعداد و شمار:

پولیس ڈیٹا:

2012 سے اپریل 2022

ہنزہ میں کیسز: 30

عورتیں بمقابلہ مرد: مجموعی خودکشیوں میں خواتین (179) مردوں (161) سے زیادہ تھیں

اصلی اسباب:

ذہنی بیماری: ہنزہ میں 53% کیسز

بے روزگاری: ہنزہ میں متاثرین میں 70% افراد بے روزگار تھے

خودکشی کا طریقہ:

ہینگنگ (پھانسی): ہنزہ میں 60% کیسز، دیگر طریقے (مثلاً ڈوب کر، زہر، فائر آرم وغیرہ) دیگر اضلاع میں زیادہ تھے۔

سال 2023: (جنوری تا مئی 2023)

2022 کے پورے سال میں: ہنزہ میں 4 کیسز رپورٹ ہوئے

2023 (یکم جنوری تا 15 مئی): ہنزہ میں 1 خودکشی کا واقعہ رپورٹ ہوا۔

2024: میں ہنزہ میں 4 کیسز رپورٹ ہوئے: مرد: 3 عورت: 1[2]

---

[1]۔ انٹرویو، تھانہ رپورٹ، گلگت، بتاریخ: 2025-04-04

[2]۔ ایضاً

ضلع ہنزہ میں خودکشی کا جائزہ:

نمبر شمار	سال	کیسز رپورٹ
1	2022	4
2	2023	1
3	2024	4

اسکردو میں خودکشی کے اعداد و شمار:

سال 2024 میں گلگت کے مجموعی طور پر 46 خودکشی کے واقعات پیش آئے جن میں اسکردو سے دو مرد متاثر تھے۔

سال 2023 میں اسکردو میں دو مرد اور ایک عورت نے خودکشی کی تھی۔

سال 2022 میں اسکردو میں کوئی خودکشی کا واقعہ رپورٹ نہیں ہوا۔ اس سال گلگت کے دیگر اضلاع سے تو واقعات آئے، لیکن اسکردو سے کوئی بھی کیس نہیں درج ہوا۔[1]

لہٰذا، اسکردو میں خودکشی کے واقعات کے لحاظ سے اعداد و شمار کا جائزہ کچھ یوں بنتا ہے:

نمبر شمار	سال	کیسز رپورٹ
1	2022	0
2	2023	3 (2 مرد +1 عورت)
3	2024	2 (2 مرد)

گلگت میں رجسٹر ہونے والی 340 خودکشی کی کیسز میں سے 53٪ خواتین تھیں، 59٪ غیر شادی شدہ اور 40٪ افراد نوجوان (20 سال سے کم عمر) تھے۔ اکثر (73٪) کیسز کے پیچھے ذہنی دباؤ یا بیماری شامل تھی۔

---

[1] ۔انٹرویو، تھانہ رپورٹ، گلگت، بتاریخ: 2025-04-04

انٹرویوز

کیس نمبر:1

یہ تحقیق ایک نہایت افسوسناک اور چونکا دینے والے واقعے کو اجاگر کرتی ہے جو گلگت بلتستان کے ضلع غذر کے گاؤں کش بٹ میں پیش آیا۔ حال ہی میں 18 سالہ ایک نوجوان نے معمولی گھریلو معاملے پر اپنی زندگی کا خاتمہ کر لیا۔ والدہ نے بیٹے کو صرف یہ نصیحت کی کہ وہ رات کو باہر نہ گھوما کرے اور گھر میں وقت گزارے، لیکن اس نصیحت کو اس نے اس قدر منفی طور پر لیا کہ انتہائی قدم اٹھاتے ہوئے خودکشی کر بیٹھا۔

یہ واقعہ محض ایک انفرادی سانحہ نہیں بلکہ ایک بڑے سماجی مسئلے کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ تحقیق سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ اسی خاندان اور علاقے میں گزشتہ چند برسوں کے دوران چھ سے سات نوجوان اپنی زندگی کا خاتمہ خودکشی کے ذریعے کر چکے ہیں۔ ایک ہی خاندان میں خودکشی کے اتنے زیادہ واقعات ہونا نہ صرف غیر معمولی ہے بلکہ یہ اس بات کی علامت بھی ہے کہ گھریلو مسائل، والدین اور اولاد کے درمیان کمیونیکیشن گیپ، اور سماجی دباؤ کس قدر خطرناک شکل اختیار کر چکے ہیں۔[1]

یہ کیس اسٹڈی اس ضرورت پر زور دیتی ہے کہ معاشرتی سطح پر فوری اقدامات کیے جائیں۔ خاندانوں کے درمیان اعتماد اور گفت و شنید کو فروغ دینا، نوجوانوں کی ذہنی صحت پر توجہ دینا، اور ایسے واقعات کی وجوہات کو سائنسی اور سماجی تناظر میں سمجھنا نہایت ضروری ہے تاکہ مستقبل میں اس طرح کے سانحات کی روک تھام ممکن بنائی جا سکے۔

کیس نمبر:2

اسی خاندان میں ایک اور افسوسناک واقعہ گزشتہ سال پیش آیا۔ نوجوان کے ایک قریبی کزن نے خودکشی کا انتہائی قدم اٹھاتے ہوئے خود کو پنکھے سے لٹکا کر جان دے دی۔ بعد ازاں مقامی ذرائع اور خاندان کے افراد نے اس واقعے کی وجوہات پر روشنی ڈالی۔ بتایا گیا کہ متوفی کچھ مالی مسائل اور قرض (ادھار) کے دباؤ کا شکار تھا۔ بار بار قرض خواہوں کا تقاضا اور سماجی دباؤ اس کے لیے ناقابلِ برداشت ثابت ہوا، جس کے نتیجے میں اس نے اپنی زندگی کا خاتمہ کر دیا۔[2]

یہ واقعہ ظاہر کرتا ہے کہ نوجوان صرف گھریلو ناچاقیوں کی وجہ سے ہی نہیں بلکہ معاشی دباؤ اور مالی تنگی کے سبب بھی شدید ذہنی دباؤ میں آ جاتے ہیں۔ قرض اور اس کے بوجھ سے پیدا ہونے والا دباؤ بعض اوقات انسان کی قوتِ برداشت سے بڑھ جاتا ہے اور وہ اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔ یہ صورتحال سماجی سطح پر ایک بڑے المیے کی نشاندہی کرتی ہے، جس میں کمیونٹی اور خاندان کے اندر مالی مسائل کو بروقت حل نہ کرنے اور متاثرہ افراد کو ذہنی و اخلاقی سپورٹ فراہم نہ کرنے کے منفی نتائج سامنے آتے ہیں۔

---

[1]۔ انٹرویو، تھانہ گاہکوچ، غذر، تاریخ: 2025-07-10

[2]۔ ایضاً

کیس نمبر:3

اسی خاندان میں ایک اور افسوسناک اور چونکا دینے والا واقعہ گزشتہ سال پیش آیا۔ متوفی ایک نوجوان تھا جو اپنے گھر کے قریبی نالے میں بکریاں چرا کر واپس آیا۔ گھر پہنچنے کے بعد اس نے اپنے کمرے میں جا کر کہا کہ وہ آرام (سونے) کے لیے جا رہا ہے۔ بعد ازاں جب اہلِ خانہ نے اسے جگانے کے لیے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹایا تو کمرہ خون سے بھرا ہوا تھا۔ نوجوان نے خود کو گولی مار کر اپنی زندگی کا خاتمہ کر لیا تھا۔

اس واقعے کے بارے میں مختلف آراء سامنے آئیں۔ کچھ رشتہ داروں کے مطابق وہ طویل عرصے سے ذہنی دباؤ (ڈپریشن) کا شکار تھا، جبکہ بعض افراد کا کہنا تھا کہ اس کے اوپر مالی مسائل اور قرض (ادھار) کا بوجھ تھا۔ وہ لوگوں کے ساتھ لین دین کے معاملات میں بہت زیادہ الجھا ہوا تھا اور یہی دباؤ اس کی خودکشی کی بنیادی وجہ بن سکتا ہے۔[1]

یہ کیس اسٹڈی اس حقیقت کو نمایاں کرتی ہے کہ نوجوانوں میں خودکشی کے واقعات کے پیچھے اکثر کثیر جہتی عوامل کارفرما ہوتے ہیں۔ بعض اوقات گھریلو مسائل، بعض اوقات سماجی دباؤ، اور بعض اوقات مالی مشکلات یا قرض کے بوجھ انہیں اس حد تک دھکیل دیتے ہیں کہ وہ زندگی کے بوجھ کو مزید برداشت نہیں کر پاتے۔

کیس نمبر:4

اسی خاندان کے ایک اور فرد، جو رشتے میں مذکورہ نوجوانوں کے چچا بتائے جاتے ہیں، نے بھی اپنی زندگی کا خاتمہ خودکشی کے ذریعے کیا۔ وہ غیر شادی شدہ تھے اور اکیلا پن بھی ان کی زندگی کا نمایاں پہلو تھا۔ واقعے کے بعد مختلف آراء سامنے آئیں۔ کچھ لوگوں کا کہنا تھا کہ وہ شدید ذہنی دباؤ (ڈپریشن) میں مبتلا تھے، جبکہ بعض نے کہا کہ ان کی زندگی میں کچھ ذاتی یا سماجی پریشانیاں تھیں جن کا وہ سامنا نہیں کر پا رہے تھے۔ تاہم، ان کی خودکشی کی اصل وجوہات کے بارے میں کوئی حتمی رائے قائم نہیں کی جا سکی۔[2]

یہ کیس اس بات کو مزید تقویت دیتا ہے کہ اس خاندان میں خودکشی کے بڑھتے ہوئے رجحان کے پیچھے صرف ایک ہی وجہ نہیں بلکہ متعدد نفسیاتی، سماجی اور معاشی عوامل کارفرما ہو سکتے ہیں۔ بعض اوقات ان وجوہات کا تعین بھی مشکل ہوتا ہے، کیونکہ متاثرہ فرد کی ذہنی کیفیت اور حالات کا مکمل ادراک کرنا بعد از مرگ ممکن نہیں رہتا۔

کیس نمبر:5

اسی خاندان میں ایک اور سانحہ تقریباً 20 سالہ نوجوان کے ساتھ پیش آیا۔ وہ اپنے ننھیال سے کچھ بکریاں اپنے بہنوئی کے ساتھ لے کر اپنے گھر آیا تھا اور رات گھر ہی میں گزاری۔ اگلی صبح سردیوں کے موسم (جنوری) میں تقریباً صبح 9 بجے ایک بکری کے بارے میں تنازعہ سامنے آیا۔ نوجوان نے گھر والوں سے کہا کہ وہ ایک بکری اپنے بہنوئی کو دینا چاہتا ہے، مگر گھر والوں نے اس بات کو تسلیم نہیں کیا۔ اسی معاملے پر جھگڑا ہوا اور جذباتی کیفیت میں آ کر نوجوان نے خود کو گولی مار لی۔[3]

---

[1] ۔انٹرویو، تھانہ گاہکوچ، غذر، تاریخ: 2025-07-10

[2] ۔ایضاً

[3] ۔ایضاً

بعدازاں عصر کے وقت اس کے والد نے اسے گھر سے کچھ فاصلے پر پایا۔ ابتدا میں والد نے اسے کسی اور کا بیٹا سمجھا، مگر جب خبر دی گئی تو والدہ نے فوراً پہچان لیا کہ وہ انہی کا بیٹا ہے۔ تب تک وہ زندگی کی بازی ہار چکا تھا۔

کیس نمبر:6

ضلع غذر میں تقریباً دو ماہ قبل ایک نوجوان لڑکی نے خودکشی کرتے ہوئے پھانسی لگالی۔ اس واقعے نے نہ صرف خاندان بلکہ پورے علاقے کو افسوس اور صدمے میں مبتلا کر دیا۔ واقعے کی وجوہات کے بارے میں مختلف آراء سامنے آئیں۔ بعض لوگوں نے کہا کہ وہ طویل عرصے سے ذہنی دباؤ (ڈپریشن) کا شکار تھی، جبکہ دیگر کے مطابق اصل وجہ واضح نہیں ہو سکی۔[1]

یہ واقعہ اس حقیقت کو اجاگر کرتا ہے کہ خواتین اور لڑکیوں میں بھی ذہنی دباؤ، معاشرتی دباؤ اور گھریلو مسائل کا اثر گہرا ہو سکتا ہے۔ تاہم، بعض اوقات وجوہات واضح نہ ہونے کی وجہ سے بعدازاں محققین اور خاندان دونوں کے لیے اصل عوامل کی نشاندہی مشکل ہو جاتی ہے۔

کیس نمبر:7

تین ماہ قبل ضلع غذر میں ایک اور افسوسناک واقعہ پیش آیا۔ ایک نوجوان لڑکے نے خودکشی کرتے ہوئے دریا میں چھلانگ لگادی۔ بعد ازاں جب اس واقعے کی وجوہات کے بارے میں معلوم کرنے کی کوشش کی گئی تو قریبی لوگوں نے بتایا کہ وہ بھی طویل عرصے سے ذہنی دباؤ (ڈپریشن) کا شکار تھا۔[2]

یہ واقعہ ظاہر کرتا ہے کہ نوجوانوں میں ذہنی دباؤ کا بڑھتا ہوا رجحان ایک سنگین مسئلہ ہے، جو بعض اوقات انہیں اپنی زندگی ختم کرنے جیسے انتہائی فیصلے پر مجبور کر دیتا ہے۔

یہاں یہ بات قابلِ غور ہے کہ اب تک درج تمام کیس اسٹڈیز (1تا7) ایک ہی اسماعیلی کمیونٹی سے تعلق رکھنے والے خاندانوں اور افراد سے وابستہ ہیں۔ یہ امر اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ کسی خاص علاقے اور کمیونٹی کے اندر نفسیاتی مسائل، سماجی دباؤ اور خاندانی تعلقات میں کشیدگی ایک بڑے اور منظم سماجی مسئلے کی صورت اختیار کر چکے ہیں۔

---

[1]۔ انٹرویو، تھانہ گاہکوچ، غذر، تاریخ: 2025-07-10

[2]۔ ایضاً

باب سوم: گلگت میں خودکشی کی روک تھام کے لیے اقدامات

فصل اول: اسلامی اداروں علماء اور میڈیا کا کردار:

اسلامی معاشرہ ایک ایسا روحانی و اخلاقی نظام ہے جو نہ صرف فرد کی نجی زندگی کو سنوارتا ہے بلکہ اجتماعی زندگی کے تمام شعبوں کو خدائی ہدایت کے تحت ترتیب دیتا ہے۔ اس نظام کی اساس قرآن سنت اجماع قیاس اور فقہی و اجتہادی رہنمائی پر قائم ہے۔ لیکن اس نظام کی صحت اور بقا اسی وقت ممکن ہے جب اس کے فکری و اخلاقی مراکز یعنی اسلامی ادارے علماء دینی مدارس مساجد اور ذرائع ابلاغ اپنا شرعی اصلاحی اور دعوتی کردار بخوبی ادا کریں۔ بدقسمتی سے جب معاشرہ ان مراکز سے فاصلے پر چلا جائے یا یہ مراکز خود اپنی اصل ذمہ داری سے غافل ہو جائیں تو پھر نتیجہ روحانی زوال اخلاقی انحطاط اور معاشرتی بحران کی صورت میں نکلتا ہے جس کی بدترین شکل خودکشی جیسے حرام فعل کی سماجی قبولیت میں ظاہر ہوتی ہے۔ یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ اسلام ایک زندگی دوست مذہب ہے جو حیاتِ انسانی کو امانت آزمائش اور عبادت کا میدان قرار دیتا ہے۔ چنانچہ جب انسان اپنی زندگی کو بے مقصد غیر محفوظ یا غیر نافع تصور کرنے لگتا ہے تو وہ شدید ذہنی دباؤ روحانی تنہائی اور جذباتی اضطراب کا شکار ہو کر ایسے افعال پر آمادہ ہو جاتا ہے جو نہ صرف دینی احکام کے خلاف ہیں بلکہ انسانی فطرت سے بھی متصادم ہیں۔ ان خطرناک رجحانات کی بیخ کنی صرف فردی کوششوں سے ممکن نہیں بلکہ اس کے لیے اجتماعی سطح پر اسلامی اداروں علماء کرام اور میڈیا کے ہمہ جہتی کردار کی اشد ضرورت ہے۔ اسلامی ادارے خصوصاً دینی مدارس مساجد خطباء اور دینی پلیٹ فارمز اگر خودکشی جیسے موضوعات پر خاموشی اختیار کر لیں یا اسے صرف نفسیاتی یا سماجی مسئلہ سمجھ کر دینی و شرعی تناظر میں بیان نہ کریں تو اس سنگین فعل کے خلاف عوامی شعور پیدا نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح میڈیا جو آج رائے سازی اور ذہن سازی کا سب سے مؤثر ذریعہ بن چکا ہے اگر دینی اقدار کے فروغ کے بجائے لادینیت مایوسی اور خواہش پرستی کو فروغ دیتا ہے تو معاشرہ مزید اخلاقی بحران میں مبتلا ہو جائے گا۔ یہ بات قابل توجہ ہے کہ قرآن کریم اور احادیث نبویہ ﷺ نے زندگی کی حرمت صبر رجاء توکل اور امید جیسے اوصاف کو جا بجا بیان کیا ہے۔ علماء اور خطباء اگر ان تعلیمات کو عصری انداز میں پیش کریں مساجد کو روحانی تربیت کا مرکز بنائیں مدارس میں نصاب کے ساتھ ساتھ نفسیاتی و معاشرتی رہنمائی کا انتظام کریں اور میڈیا اپنی طاقت کو دین کی دعوت امید توبہ اور اصلاحِ نفس کی اشاعت میں صرف کرے تو اسلامی معاشرہ دوبارہ ایک ایسا مضبوط قلعہ بن سکتا ہے جہاں خودکشی جیسی قباحت پنپنے کا موقع نہ پا سکے۔

جمعہ کے خطبات میں خودکشی پر روشنی:

گلگت۔ بلتستان بلکہ پورے اسلامی معاشرے میں مساجد مدارس اور دعوتی مراکز صرف عبادت گاہیں یا علمی ادارے نہیں بلکہ اصلاحِ معاشرہ تزکیۂ نفس اور فکری و روحانی رہنمائی کے قلعے ہیں۔ ان میں سے سب سے زیادہ جامع اور اجتماعی دینی اثر کا ذریعہ خطباتِ جمعہ ہیں۔ یہ ہفتہ وار موقع نہ صرف اہل ایمان کے باجماعت اجتماع کا ذریعہ ہے بلکہ دین کی اجتماعی تعلیم روحانی تربیت اور معاشرتی مسائل پر رہنمائی کا نادر موقع بھی ہے۔ بدقسمتی سے آج ان خطبات کا بڑا حصہ رسمی غیر مربوط اور غیر عصری موضوعات پر مشتمل ہو چکا ہے جب کہ خودکشی جیسے مہلک اور حرام فعل پر اکثر خاموشی یا اجتناب برتا جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی بعثت کا بنیادی مقصد ہی تعلیم تزکیہ اور اصلاحِ معاشرہ تھا اور آپ ﷺ نے اپنی دعوتی حکمتِ عملی میں خطبات کو بنیادی ذریعہ بنایا۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ[1]

"وہی ہے جس نے ان پڑھوں میں ایک رسول بھیجا جو ان پر اس کی آیات تلاوت کرتا ہے انہیں پاک کرتا ہے اور کتاب و حکمت سکھاتا ہے"۔

آپ ﷺ کے خطبہ ہائے جمعہ سماجی سیاسی اخلاقی اور عقیدتی تمام اہم موضوعات پر مشتمل ہوتے۔ آپ کا خطبہ صرف وعظ و نصیحت نہ تھا بلکہ فکری انقلاب اصلاحی بیانیہ اور ذہنی تربیت کا جامع مجموعہ ہوتا۔

اگر نبی ﷺ اپنے خطبات میں ایسے موضوعات کو واضح تنبیہی اور دینی اسلوب میں بیان کرتے تھے تو یہ امر آج کے خطباء و علما پر شرعی اور اخلاقی فریضہ ہے کہ وہ خودکشی جیسے مسائل کو جمعہ کے خطبات کا مستقل حصہ بنائیں۔ خاص طور پر جب یہ مسئلہ کسی علاقے (جیسے گلگت) میں مسلسل بڑھتا ہوا اجتماعی المیہ بن چکا ہو۔ خلفائے راشدین بالخصوص سیدنا عمر بن خطابؓ کے عہد میں خطبہ صرف مذہبی تبلیغ نہ تھا بلکہ معاشرتی سدھار عوامی جذبات کی رہنمائی اور سماجی بگاڑ کی نشان دہی کا ذریعہ ہوتا۔ انہوں نے منبر کو صرف مذہبی مقام نہیں بلکہ ریاستی تربیت گاہ میں تبدیل کر دیا۔ ان کے خطبات میں جرم و سزا اخلاقیات غربت عدل اور ناپسندیدہ رجحانات پر مسلسل توجہ دی جاتی۔ یہی اصول بعد کے علماء و مصلحین نے اپنایا۔ امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں صراحت کی کہ علماء اگر صرف علمِ ظاہر میں مشغول رہیں اور عوام کے عملی مسائل روحانی زوال اور معاشرتی فتنوں پر خاموش رہیں تو ان کی علمیت مردہ علم بن جاتی ہے۔[2] اسی طرح امام ابن تیمیہؒ اور امام ابن القیمؒ جیسے علماء نے اپنے وعظ و خطبات کو عوامی ضروریات اور روحانی اصلاحات سے جوڑا۔ ان کے ہاں خطبہ کتاب اور دعوت تینوں کا مقصد احیاء ملت اور تجدید ایمان تھا۔[3]

آج جب معاشرہ ذہنی اضطراب نفسیاتی دباؤ مایوسی اور ناامیدی کی لپیٹ میں ہے تو جمعہ کا خطبہ اس کی سب سے مؤثر اصلاحی صورت بن سکتا ہے۔ مگر اس کے لیے لازم ہے کہ خطیب حضرات جدید نفسیاتی و سماجی رجحانات کا شعور رکھتے ہوں خودکشی جیسے ممنوع افعال کی شرعی حرمت اخلاقی برائی اور نفسیاتی اسباب پر گہری بصیرت رکھتے ہوں اور اپنی تقریر کو دلائل قرآن حدیث سیرت اور روزمرہ کی مثالوں سے مزین کریں لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ جمعہ کے خطبات کو صرف عباداتی یا روایتی مضامین تک محدود نہ رکھا جائے بلکہ ان میں خودکشی جیسے سماجی و دینی بحرانوں کو قرآن و سنت کی روشنی میں بھرپور انداز سے بیان کیا جائے۔ یہ خطبہ عوام تک شرعی احکام حرام افعال کی وعید اور روحانی علاج پہنچانے کا سب سے بابرکت ذریعہ ہے اور اگر اسے بروئے کار لایا جائے تو خودکشی جیسے المیوں کا راستہ بڑی حد تک روکا جا سکتا ہے۔

مدارس میں نوجوانوں کی ذہنی تربیت:

گلگت کے مدارسِ دینیہ کا منصب صرف نصابِ درسی کی تدریس تک محدود نہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ نوجوان طلبہ کی فکری روحانی اور اخلاقی تربیت بھی ان کی ذمہ داریوں میں شامل ہے۔ موجودہ دور میں جہاں نوجوان ذہنی دباؤ احساسِ کمتری معاشرتی بے حسی اور مذہبی بے راہ روی کا شکار ہیں وہاں مدارس کو اپنا کردار محض علم کی تدریس سے آگے بڑھاتے ہوئے ذہنی و نفسیاتی اصلاح اور شخصیت سازی کی سطح تک لانا ہوگا۔ کیونکہ ایک ایسا نوجوان جو دین کا علم حاصل کر رہا ہو لیکن ذہنی و روحانی استحکام سے محروم ہو وہ معاشرے میں اصلاح کی بجائے اضطراب کا باعث بھی بن سکتا ہے۔ رسالت مآب ﷺ کا اسلوبِ تربیت اس بات کی روشن مثال ہے کہ محض معلومات دینا کافی نہیں بلکہ شخصیت سازی اور شعور کی

---

[1] ۔ الجمعہ: 11

[2] ۔ غزالی، **احیاء العلوم**، بیروت: دار الکتب العربیہ، ج 1، ص 125

[3] ۔ شیخ احمد بن حجر، **قتل اور خودکشی**: جہنم کے راستے (لاہور: مکتبہ قدوسیہ)، ص 2–3۔

بیداری اصل مقصد ہے۔ حضور ﷺ نے نوجوانوں کو نہ صرف علم سکھایا بلکہ ان کے باطن کو سنوارا ان کی سوچ کی اصلاح فرمائی اور ان کی روحانی ضروریات کا بھی لحاظ رکھا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ جیسے کم عمر صحابہ کو اپنے قریب رکھا ان سے محبت سے پیش آئے اور موقع بموقع تربیتی جملے عطا کیے۔ جیسا کہ وہ معروف حدیث جس میں آپ ﷺ نے فرمایا:

"يَا غُلَامُ إِنِّي أُعَلِّمُكَ كَلِمَاتٍ احْفَظِ اللهَ يَحْفَظْكَ."

"اے بچے! میں تمہیں چند کلمات سکھاتا ہوں: اللہ کو یاد رکھو وہ تمہیں محفوظ رکھے گا۔"[1]

یہ طرزِ تربیت نہ صرف علمی بلکہ نفسیاتی اور روحانی تقویت کا ذریعہ بھی تھا۔ آج مدارس کو چاہیے کہ وہ اس سنت کو اپناتے ہوئے طلبہ میں صرف معلومات نہ بھریں بلکہ ان کی ذہنی ساخت جذباتی توازن اور روحانی تشنگی کا بھی علاج کریں۔ افسوس کہ موجودہ نظامِ درس میں ایسے مواقع بہت کم رہ گئے ہیں کہ استاد اور شاگرد کے مابین ایسا تربیتی ربط قائم ہو جو طلبہ کو روحانی و فکری لحاظ سے پختہ بنائے۔ علاوہ ازیں خودکشی جیسے رجحانات کا تدارک اسی وقت ممکن ہے جب نوجوانوں میں توکل قناعت صبر اور رضا بالقضا جیسے ایمانی تصورات کو عملی تربیت کے ذریعے دل و دماغ میں بٹھایا جائے۔ مدارس کے اساتذہ صرف نصابی معلم نہیں بلکہ روحانی مربی بھی ہوں۔ لیکن جب اساتذہ کا رویہ سرد نصابی اور مشینی ہو جائے تو طلبہ علمِ دین کے باوجود دل سے خالی اور ذہن سے شکست خوردہ رہتے ہیں۔ یہی وہ خلا ہے جو کبھی مایوسی تو کبھی خودکشی جیسے غیر فطری رجحانات کو جنم دیتا ہے۔ معروف مفسر مولانا امین احسن اصلاحیؒ لکھتے ہیں تربیت اگر علم سے خالی ہو تو ایک سطحی فہم پیدا کرتی ہے اور علم اگر تربیت سے خالی ہو تو فتنہ بن جاتا ہے۔[1]

گلگت کے علاوہ ہر دینی مدارس میں ایک ایسا تربیتی ماحول لازم ہے جہاں اساتذہ طلبہ کے ساتھ قلبی تعلق رکھیں ان کے نفسیاتی حالات کا ادراک رکھیں اور ان میں اس شعور کو بیدار کریں کہ دین صرف سیکھنے کی چیز نہیں بلکہ جینے کا سلیقہ ہے۔ تبھی یہ ادارے صرف فارغ التحصیل علماء ہی نہیں بلکہ معاشرے کے معالج بھی پیدا کر سکیں گے جو خودکشی جیسے مہلک رجحانات کا دینی فکری اور اخلاقی سطح پر تدارک کر سکیں گے۔

فتویٰ مراکز اور مشاورت مراکز کا قیام:

فتویٰ اور مشاورت مراکز کا قیام اسلامی معاشرے میں فکری و عملی رہنمائی کی ایک نہایت اہم ضرورت ہے خصوصاً ایسے وقت میں جب انسان مختلف ذہنی سماجی اور روحانی بحرانوں کا شکار ہو کر انتہائی اقدام یعنی "خودکشی" کی طرف مائل ہوتا ہے۔ موجودہ دور میں امتِ مسلمہ کا ایک بڑا طبقہ بالعموم اور نوجوان نسل بالخصوص ایسی کیفیت سے گزر رہی ہے جہاں انہیں فوری موثر اور دینی بنیادوں پر استوار رہنمائی کی اشد ضرورت ہے۔ اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے باقاعدہ فتویٰ اور دینی مشاورت کے مراکز قائم کرنا ایک نہایت حکیمانہ اور دور اندیش اقدام ہو گا جو اسلامی معاشرے کی بقاء فکری استحکام اور روحانی تحفظ کے لیے ناگزیر ہے۔ یہ مراکز افرادِ معاشرہ کو شرعی رہنمائی فراہم کرتے ہوئے انہیں زندگی کے مسائل میں مثبت سوچ اپنانے پر آمادہ کرتے ہیں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِن كُنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ۔[2]

"پس اگر تم نہیں جانتے تو اہلِ ذکر سے پوچھ لو۔"

---

[1] ۔امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن: مقدمہ (لاہور: دار التذبر، 2004ء)، ص 25۔

[2] ۔الزخرف: 16

یہ آیت ہمیں واضح کرتی ہے کہ زندگی کے الجھے ہوئے مسائل میں اہل علم کی طرف رجوع کرنا ہی اسلام کا تقاضا ہے۔ مگر بدقسمتی سے ہمارا موجودہ سماج ایک ایسا خلا رکھتا ہے جہاں ضرورت مند مایوس یا ذہنی دباؤ کا شکار فرد کے لیے دینی بنیادوں پر کوئی قابلِ اعتماد سہل رسائی رکھنے والا مشاورتی مرکز میسر نہیں ہوتا۔ نتیجتاً وہ یا تو بے سمتی کا شکار ہو جاتا ہے یا پھر لادین مشاورت اور مغربی سائیکالوجی کے نام پر چلنے والے ایسے مراکز کی طرف چلا جاتا ہے جہاں روحانی اور دینی تسکین ناپید ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی سیرت کا مطالعہ کریں تو واضح ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کا وجود نہ صرف ایک پیغمبرانہ اتھارٹی تھا بلکہ آپ ﷺ معاشرتی عدالتی اور مشاورتی مرکز بھی تھے۔ آپ کے پاس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے معمولی سے معمولی معاملات سے لے کر پیچیدہ مسائل تک کے لیے رجوع کرتے اور آپ انہیں حکمت نرمی اور رحم دلی سے سمجھاتے۔ جیسے ایک نوجوان نے آپ ﷺ سے زنا کی اجازت مانگی تو آپ ﷺ نے سختی نہیں کی بلکہ محبت و حکمت کے ساتھ اس کے دل کو تسخیر فرمایا اور اس کی اصلاح کی۔ اس سنت نبوی کی روشنی میں آج کے دور میں فتویٰ اور مشاورت کے مراکز صرف علمی ادارے نہیں بلکہ "رحمت کے مراکز" ہونے چاہییں جہاں دلوں کو تسلی ذہنوں کو روشنی اور زندگانی کو سمت ملے۔ ان مراکز میں ماہر علماء تربیت یافتہ مفتیان اور جدید نفسیاتی پس منظر رکھنے والے دینی مشیر شامل ہوں تا کہ ایک مربوط نظام کے تحت انسان کو مایوسی سے نکال کر امید ایمان اور اصلاح کی طرف لایا جا سکے۔ ممتاز محقق ڈاکٹر محمد طاہر القادری لکھتے ہیں: آج کے دور میں جہاں ذہنی تناؤ اور روحانی بے چینی عام ہے وہاں فتویٰ صرف ایک علمی جواب نہیں بلکہ ایک نفسیاتی سہارا بھی ہونا چاہیے جو بندے کو مایوسی سے نکال کر اس کے دل میں اللہ کی رحمت کا چراغ روشن کرے۔[1]

لہٰذا اگر اسلامی ادارے حکومت یا دینی تنظیمیں سنجیدگی سے فتویٰ اور مشاورت مراکز کے قیام کی طرف توجہ دیں تو یہ ایک انقلابی قدم ہوگا۔ ایسے مراکز نہ صرف خودکشی جیسے سنگین رجحان کو روکنے میں کلیدی کردار ادا کر سکتے ہیں بلکہ مجموعی طور پر معاشرے کی ذہنی فکری اور دینی تعمیر میں معاون ثابت ہوں گے۔

نوجوانوں کے ساتھ مشفقانہ تعلق:

اسلامی تعلیمات کا مرکز و محور ایک ایسا معاشرہ ہے جس میں نسلِ نو کو اعتماد محبت اور فکری رہنمائی کے ذریعے تعمیر کیا جائے۔ نوجوان نسل ہر قوم کا روشن مستقبل اور ہر امت کا سب سے نازک سرمایہ ہوتی ہے۔ اگر ان کی فکری تربیت اور روحانی نگہداشت احسن انداز میں نہ کی جائے تو یہ نسل مایوسی بے سمتی اور ذہنی انتشار کا شکار ہو کر تباہی کی دہلیز پر پہنچ جاتی ہے۔ ان حالات میں گلگت کے علماء کا کردار محض فتوی دینے یا ممبر پر خطبہ دینے تک محدود نہیں ہونا چاہیے بلکہ انہیں نوجوانوں کے دلوں کی نبض پر ہاتھ رکھنا چاہیے ان کی بے چینی کو محسوس کرنا ان کے سوالات کو اہمیت دینا اور ان کے شبہات کا حکمت و شفقت کے ساتھ ازالہ کرنا چاہیے۔ رسالتِ مآب ﷺ کی حیاتِ مبارکہ اس حوالے سے بہترین اسوہ ہے۔ آپ ﷺ نے نوجوانوں کو صرف وعظ و نصیحت کا نشانہ نہیں بنایا بلکہ ان کے جذبات کو سمجھتے ہوئے ان سے ایک مشفق باپ ہمدرد مربی اور دانا معلم کا تعلق استوار فرمایا۔ جب ایک نوجوان نے حضور ﷺ سے زنا کی اجازت مانگی تو آپ ﷺ نے نہ اس پر سختی کی نہ اسے بے عزت کیا بلکہ محبت حکمت اور فہم و فراست سے اس کے نفس کی اصلاح فرمائی آپ ﷺ نے اس سے سوال کیا:

---

[1]۔ محمد طاہر القادری، اسلام اور روحانی امراض کا علاج (لاہور: منہاج پبلیکیشنز، 2011)، ص 78

أَتَرْضَاهُ لِأُمِّكَ؟[1]

"کیا تُو یہ اپنی ماں کے لیے پسند کرے گا؟"

اور پھر دیگر محارم کا ذکر کیا حتیٰ کہ نوجوان کی طبیعت مکمل طور پر بیزار ہو گئی۔ پھر آپ ﷺ نے اس کے سینے پر ہاتھ رکھ کر دعا فرمائی:

"اللَّهُمَّ اغْفِرْ ذَنْبَهُ وَطَهِّرْ قَلْبَهُ وَحَصِّنْ فَرْجَهُ"[2]

ترجمہ: "اے اللہ! اس کے گناہ بخش دے اس کے دل کو پاک فرما اور اس کی شرمگاہ کی حفاظت فرما۔"

یہی وہ اسلوب ہے جس کی موجودہ دور میں علماء کو سخت ضرورت ہے کیونکہ آج کا نوجوان تنقید سے نہیں تفہیم سے سنبھلتا ہے، سختی سے نہیں شفقت سے جھکتا ہے اور فتویٰ سے پہلے تعلق مانگتا ہے۔ افسوس کہ بعض حلقوں میں علماء کا نوجوانوں سے تعلق رسمی یک طرفہ اور نصیحت زدہ ہو گیا ہے۔ وہ نوجوان جو بے چینی نفسیاتی خلل خاندانی انتشار اور روحانی بے رُخی کا شکار ہو جب مولانا یا مفتی کے سامنے اپنی الجھن لے کر آتا ہے تو اسے صرف "یہ حرام ہے مت کرو!" جیسے جواب ملتے ہیں۔ نتیجتاً وہ مزید دور ہو جاتا ہے اور کبھی کبھی زندگی کی ڈور تک توڑ دیتا ہے۔ اس تناظر میں مفتی محمد شفیعؒ کی بات انتہائی بصیرت افروز ہے۔ وہ لکھتے ہیں: "نوجوان دل آئینہ صیقل ہوتے ہیں ان پر اگر محبت شفقت اور خلوص کے ساتھ دستِ تربیت رکھا جائے تو وہ کندن بن جاتے ہیں لیکن اگر صرف خوف ملامت اور فاصلہ دیا جائے تو یہی دل سخت پتھروں میں بدل جاتے ہیں۔" لہٰذا علماء کو چاہیے کہ وہ نوجوانوں کو محض نصیحت کا موضوع نہ بنائیں بلکہ ان کے لیے سامع بنیں محرم راز بنیں ان کی لغزشوں کو برداشت کریں ان کے سوالات کو سراحت سے سنیں اور ان کی رہنمائی میں نبوی حکمت کا التزام رکھیں۔ ان کے لیے مخصوص نشستیں کیمپ علمی و روحانی مشورہ جات اور ذاتی ملاقاتوں کے مواقع پیدا کریں تاکہ نوجوانوں کو محسوس ہو کہ دین ان کے احساسات کا نگہبان ہے اور علما ان کے ہمدرد خیر خواہ اور بااعتماد مشیر ہیں۔ یہی وہ تعلق ہے جو نوجوانوں کو مایوسی نفسیاتی بیماریوں اور خودکشی جیسے انتہائی قدم سے روک سکتا ہے اور انہیں ایک مفید فردِ امت اور معمارِ ملت بنا سکتا ہے۔

علمائے دین کا ابلاغی کردار:

دورِ جدید میں ذرائع ابلاغ کی وسعت اور تیز رفتاری نے دینی دعوت کے میدان میں ایک نئی جہت متعارف کرائی ہے۔ جہاں ایک طرف سوشل میڈیا یوٹیوب زوم اور دیگر آن لائن پلیٹ فارمز نے دین کے پیغام کو دنیا کے کونے کونے تک پہنچانے کے مواقع فراہم کیے ہیں وہیں دوسری طرف ان وسائل کا منفی استعمال انسان کو فکری انتشار روحانی خلاء اور ذہنی الجھنوں کی اتھاہ گہرائیوں میں بھی دھکیل رہا ہے۔ ان حالات میں علماء دین کی ذمہ داری ہے کہ وہ صرف ممبر و محراب کے محدود دائرے تک خود کو نہ رکھیں بلکہ آن لائن دروس ویڈیوز لیکچرز اور خطبات کے ذریعے ایسے مضامین کو اُجاگر کریں جو نوجوانوں کی ذہنی تربیت نفسیاتی اصلاح اور روحانی توازن کے لیے معاون ثابت ہوں۔ قرآنِ مجید کی روشنی میں علم اور نصیحت کی ترسیل صرف زبانی کلامی خطاب تک محدود نہیں بلکہ ابلاغ حکیمانہ اور بصیرت افروز دعوت کا تقاضا کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"اُدْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ ۖ وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ"

---

[1] ۔ مسند احمد، حدیث: 22211

[2] ۔ بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الادب، باب ماجاء في الرحمة للناس، حدیث 5997، ج 8، ص 53۔

ترجمہ: "اپنے رب کے راستے کی طرف دعوت دو حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ اور ان سے ایسے انداز میں بحث کرو جو بہترین ہو۔[1]"

اس آیت کی روشنی میں جب پیغام حق کو حکمت اور نرمی کے ساتھ جدید ترین ذرائع سے پیش کیا جائے تو وہ دلوں میں اثر پذیر ہوتا ہے۔ آن لائن لیکچرز اور خطبات کا اصل مقصد فقط معلومات کی ترسیل نہیں بلکہ دلوں کی تربیت ارادوں کی تشکیل اور نفس کی اصلاح ہونا چاہیے۔ رسول اللہ ﷺ نے جب بھی لوگوں کو تعلیم دی وہ محض جملے یا احکام نہیں سناتے تھے بلکہ سامع کی حالتِ ذہنی فکری سطح اور جذباتی کیفیات کو مدنظر رکھتے تھے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں:

"حَدِّثُوا النَّاسَ بِمَا يَعْرِفُونَ أَتُحِبُّونَ أَنْ يُكَذَّبَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ؟"[2]

ترجمہ: "لوگوں سے وہی بات کرو جو وہ سمجھ سکیں۔ کیا تم چاہتے ہو کہ اللہ اور اس کے رسول کو جھٹلایا جائے؟"

اس حدیث میں ابلاغ کی حکمت کا وہ سنہرا اصول موجود ہے جو جدید تقاضوں کے عین مطابق ہے۔ ہر بیان ہر لیکچر اور ہر درس کو مخاطب کے شعور اور ظرف کے مطابق ڈھالا جانا چاہیے۔ آج کا نوجوان صرف معلومات نہیں چاہتا وہ معنویت اپنائیت اور رہنمائی چاہتا ہے۔ اگر خطبات اور لیکچرز میں محض "حرام و حلال" کی فہرست ہو اور زندگی کے پیچیدہ سوالات کا کوئی نرم اور مانوس جواب نہ ہو تو وہ دین سے دور ہونے لگتا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ خطبات جمعہ آن لائن بیانات اور ویڈیوز میں ایسے موضوعات اٹھائے جائیں جیسے: "مایوسی سے نجات" "نفس پر قابو کیسے پائیں" "زندگی کا مقصد کیا ہے" "مشکل وقت میں صبر اور امید کی روشنی" "خودکشی: دین کی نظر میں" اس سلسلے میں بعض علماء نے مثالی کردار ادا کیا ہے۔ مفتی تقی عثمانی دامت برکاتہم جیسے اہل علم نہایت سلیقے نرمی اور حکمت کے ساتھ نوجوانوں کو آن لائن لیکچرز میں زندگی کے چیلنجز سے نمٹنے کا دینی طریقہ سمجھاتے ہیں۔ ان کے دروس میں جہاں فقہی وضاحت ہوتی ہے وہیں روحانی بصیرت نفسیاتی توازن اور معاشرتی فہم بھی شامل ہوتا ہے۔ اردو کتب میں بھی اس حوالے سے عمدہ مثالیں ملتی ہیں۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ اپنی کتاب "خطبات" میں لکھتے ہیں: اسلام صرف نماز اور روزہ کا نام نہیں بلکہ انسانی زندگی کے ہر میدان میں روشنی عطا کرتا ہے[3]۔ اس دین کو اگر ہم اپنی محدود زبان اور محدود حلقے تک قید رکھیں گے تو نوجوان نسل کبھی اس سے متاثر نہ ہوگی۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ علمائے کرام اپنے علمی خطبات کو سوشل میڈیا پر نشر کریں یوٹیوب چینلز پوڈکاسٹ اور ویب سائٹس پر مستند اور مربوط مواد اپلوڈ کریں اور نوجوانوں کے لیے ایسے آن لائن حلقہ ہائے درس قائم کریں جہاں وہ آزادانہ سوالات کر سکیں اور انہیں حکمت واخلاص سے جواب ملے۔ ان آن لائن مجالس میں اگر اخلاقی ہدایت نبوی حکایات قرآنی نصیحت اور موجودہ چیلنجز کا حل موجود ہو تو نوجوان نسل خودکشی جیسے قبیح انجام کی طرف جانے کے بجائے دین کی پناہ اور امید کی روشنی میں آسکتی ہے۔

دینی موقف اور سماجی ضرورت:

اسلامی تعلیمات کا بنیادی مقصد انسانی زندگی کے تقدس کو اجاگر کرنا اور اسے ہر طرح کے ظلم و فساد سے محفوظ رکھنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شریعت نے نہ صرف دوسرے انسان کو قتل کرنے کو گناہِ کبیرہ قرار دیا بلکہ خود کو ہلاک کرنا بھی اتنا ہی بڑا جرم گردانا ہے۔ اسلام میں انسان کی جان اس کی ذاتی ملکیت نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ایک امانت ہے جس پر خود انسان کو بھی اختیار نہیں۔ چنانچہ خودکشی کے خلاف ایک مضبوط غیر مبہم

---

[1]۔ الانعام: 125

[2]۔ بخاری، الجامع الصحیح، **کتاب العلم**، باب من خص بالعلم قوماً، حدیث 127، ج 1، ص 38

[3]۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی، **خطبات**، (لاہور: ادارہ ترجمان القرآن، 2011ء)، ص 74۔

اور ہمہ گیر دینی بیانیہ وقت کی اشد ضرورت ہے۔افسوس ناک امر یہ ہے کہ موجودہ دَور میں یہ بیانیہ یا تو بالکل غیر واضح ہے یا صرف فقہی فتوے کی سطح تک محدود ہے جبکہ اسے سماجی سطح پر ایک مسلسل دعوتی خط میں تبدیل کیا جانا چاہیے۔قرآنِ مجید نہایت واضح انداز میں خودکشی کی حرمت بیان فرماتا ہے۔ خودکشی صرف دنیاوی جرم یا نفسیاتی مسئلہ نہیں بلکہ دینی طور پر ایک خطرناک دائمی انجام کا پیش خیمہ ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ کیا ہماری دینی مجالس دروسِ قرآن جمعہ کے خطبات اور میڈیا پر چلنے والے دینی پروگرام اس بیانیے کو مؤثر انداز میں اجاگر کر رہے ہیں؟افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ عمومی دینی خطاب صرف "خودکشی حرام ہے" کے جملے تک محدود رہتا ہے جبکہ نوجوان ذہن ایک ایسی دلیل ایک ایسی بصیرت چاہتا ہے جو اس کے درد کو سمجھے اور اس کا عملی حل دے۔ مفتی تقی عثمانی صاحب اپنی کتاب "اسلام اور جدید ذہنی مسائل" میں فرماتے ہیں: "خودکشی کا مسئلہ صرف ایک دینی فتویٰ نہیں بلکہ ایک سماجی اور نفسیاتی الجھن بھی ہے جسے محض شرعی حرمت سے نہیں روکا جاسکتا۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ علماءِ کرام واضح انداز میں خودکشی کے خلاف ایک فکری اور عملی بیانیہ ترتیب دیں جو نوجوانوں کے دل تک اتر جائے۔[1]"

ایک ایسا بیانیہ جس میں قرآنی آیات نبی ﷺ کی سیرت صحابہ کرامؓ کے اقوال صبر و توکل کی تعلیمات اور امید و رجاء کے عملی نمونے شامل ہوں وہی ایک مکمل بیانیہ ہو گا۔ مثلاً حضرت ایوبؑ کی بیماری یعقوبؑ کا فراق اور رسول اکرم ﷺ کی طائف کی وادی میں شدید اذیت کا سامان یہ واقعات اس بات کا ثبوت ہیں کہ تکلیف انسان کی زندگی کا حصہ ہے مگر مؤمن کا شیوہ صبر اور اللہ پر کامل بھروسہ ہوتا ہے۔ علمائے کرام خطباء داعی حضرات اور دینی ادارے اگر خودکشی جیسے مسئلے کو "توحید قضا و قدر صبر اور آخرت کے تصور" سے جوڑ کر پیش کریں تو اس کے دلوں پر گہرے اثرات مرتب ہوں گے۔ ایسا بیانیہ ہر جمعہ کے خطبہ ہر ٹی وی چینل پر دینی پروگرام اور ہر مدرسہ کے تربیتی نصاب کا حصہ ہونا چاہیے۔ جب تک یہ مسئلہ صرف "حرام ہے" کے لیبل تک محدود رہے گا نوجوانوں کے قلوب کو اس سے تسکین نہیں ملے گی۔ان کے لیے ایک ایسی امید کی روشنی ایک نرم دینی انداز اور عملی رہنمائی درکار ہے جو انہیں خودکشی کے کنارے سے پلٹا کر زندگی کی طرف واپس لائے۔

معاشرتی مسائل اور ان کا اسلامی حل:

اسلام دینِ فطرت ہے جو صرف عبادات عقائد یا فقہی مسائل تک محدود نہیں بلکہ وہ معاشرتی زندگی کے تمام پہلوؤں کو عدل رحمت ہمدردی اور خدمت خلق کے اصولوں پر استوار کرتا ہے۔ قرآنِ مجید کی آیات اور رسول اللہ ﷺ کی سیرت اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اسلام ہر انسانی بحران خاص کر معاشرتی بحران کا حل پیش کرتا ہے اور اس کے اصول ہر زمانے اور ہر مقام کے لیے مؤثر اور صالح ہیں۔ جب معاشرت میں بے انصافی غربت تنہائی طبقاتی فرق معاشی استحصال اور ذہنی دباؤ جیسے عوامل جنم لیتے ہیں تو وہ ایک انسان کو انتہا پر لے جاسکتے ہیں اور یہیں سے وہ پُراسرار خاموشی میں خودکشی جیسے سانحے کی طرف بڑھتا ہے۔ ایسے میں علماء اور اسلامی اداروں کا فریضہ بنتا ہے کہ وہ معاشرتی مسائل کی تشخیص کے بعد ان کا اسلامی حل پیش کریں وہ بھی بصیرت حکمت اور عملیت کے ساتھ۔ قرآن مجید نے ان معاشرتی رویّوں کا متعدد بار ذکر فرمایا جیسے ظالم حکمران سودی معیشت مال داروں کی بے حسی یتیموں کا استحصال خواتین کا ظلم اور طبقات کا فرق اور ساتھ ہی ان مسائل کا روحانی و عملی حل بھی بیان کیا۔ فرمایا:

"إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ"[2]

---

[1]۔ مفتی محمد تقی عثمانی، **اسلام اور جدید ذہنی مسائل**، (کراچی: دارالاشاعت، 2009ء)، ص 87۔

[2]۔ النحل: 90

"بیشک اللہ تمہیں عدل احسان اور قرابت داروں کو دینے کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی برائی اور ظلم سے منع فرماتا ہے۔ وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم یاد رکھو۔"

یہ آیت نہ صرف ایک جامع ضابطہ اخلاق ہے بلکہ آج کے معاشرتی بگاڑ کا حل بھی پیش کرتی ہے: عدل سے قانون کی بالادستی احسان سے معاشرتی رحمت صلہ رحمی سے خاندانی نظام کی بہتری اور منکرات سے گریز کا درس۔ اسی تناظر میں نبی کریم ﷺ کا کردار معاشرتی اصلاح کے میدان میں مثالی ہے۔ آپ ﷺ نے فاقہ کش صحابہؓ کے لیے "اصحابِ صفہ" کا نظام قائم کیا غریبوں کو زکوٰۃ وصدقات سے سہارا دیا بے یار و مددگار خواتین کو تحفظ دیا غلاموں کو آزاد کروایا اور یتیموں کو معاشرتی مقام دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

"الْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهُ وَلَا يُسْلِمُهُ وَمَنْ كَانَ فِي حَاجَةِ أَخِيهِ كَانَ اللَّهُ فِي حَاجَتِهِ"[1]

ترجمہ: "مسلمان مسلمان کا بھائی ہے نہ اس پر ظلم کرتا ہے نہ اسے بے سہارا چھوڑتا ہے۔ جو اپنے بھائی کی حاجت پوری کرے اللہ اس کی حاجت پوری کرتا ہے۔"

معاشرتی مسائل کے حل کے لیے علما کو چاہیے کہ وہ صرف خطبوں میں ظلم یا برائی کی مذمت پر اکتفانہ کریں بلکہ حقیقی حل جیسے:

- غریب گھرانوں کی کفالت کے لیے مسجد و مدرسہ سطح پر بیت المال کا قیام
- معاشرتی دباؤ کے شکار افراد کے لیے مشاورت مراکز
- ذہنی دباؤ طلاق بے روزگاری جیسے مسائل پر اسلامی ماہرین نفسیات کے لیکچرز
- نوجوانوں کو زندگی سے جوڑنے والے امید افزا بیانات
- ہر جمعہ کے خطبہ میں معاشرتی موضوعات کی ترتیب سے مضبوط بیانیہ
- دینی نصاب میں سماجی شعور اور عملی خدمت کے مضامین کا اضافہ
- اور سب سے بڑھ کر علماء کی عوامی دسترس کہ وہ صرف مدرسوں میں محدود نہ رہیں بلکہ سوشل میڈیا یوٹیوب FM ریڈیو اور عوامی اجتماعات میں "دینی حل" کو موثر انداز میں پیش کریں۔

اس ضمن میں ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے بہت عمدہ بات کہی: دین کو صرف منبر و محراب میں قید کر دینا اور دنیا کے مسائل کو صرف حکومتی ذمہ داری کہنا دراصل دینی قیادت کی کمزوری ہے۔ نبی اکرم ﷺ جب مسجد بناتے تو ساتھ میں لوگوں کے معاشی سیاسی معاشرتی مسائل کا بھی مرکز قائم کرتے۔ یہی اسوہ آج زندہ کرنے کی ضرورت ہے۔[2]

یقیناً جب تک علماء مدارس اور دینی پلیٹ فارمز ہر سطح پر معاشرتی مسائل کے اسلامی حل کو مدلل مربوط اور عوامی انداز میں بیان نہیں کریں گے تب تک عوام الناس یا تو افراط و تفریط کا شکار ہوں گے یا مذہب سے بدظن ہو جائیں گے۔

---

[1]۔ بخاری، الجامع الصحیح، **کتاب المظالم**، باب لَا يَظْلِمُهُ وَلَا يُسْلِمُهُ، حدیث 2442، ج3، ص123

[2]۔ ڈاکٹر اسرار احمد، **اسلامی نظامِ حیات اور موجودہ دنیا**، (لاہور: تنظیم اسلامی پبلیکیشنز، 2001ء)، ص67۔

اسلامی اقدار کے فروغ پر مبنی میڈیا پروگرامز:

اسلامی تعلیمات میں ابلاغِ حق اور خیر خواہی کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:

ٱدْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِٱلْحِكْمَةِ وَٱلْمَوْعِظَةِ ٱلْحَسَنَةِ[1]

ترجمہ: "اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ دعوت دو۔"

یہ آیت ہمیں یہ سکھاتی ہے کہ اسلامی دعوت اور اصلاح کا کام صرف خطیب یا معلم کی حدود میں محدود نہیں بلکہ ہر وہ ذریعہ جو فکر فہم اور احساس پر اثر ڈال سکتا ہے وہ اس فرض کا حامل ہے۔ میڈیا خصوصاً الیکٹرانک اور ڈیجیٹل میڈیا آج کے دور میں اس آیت کا عملی میدان ہے۔ نبی کریم ﷺ کی سیرتِ طیبہ میں "ابلاغ" اور "دعوت" کو فصاحت بلاغت دلنشینی اور حکمت کے ساتھ پیش کرنے کی مثالیں جا بجا ملتی ہیں۔ آپ ﷺ کا اندازِ خطاب اور اسلوبِ بیان دلوں میں اتر جانے والا تھا۔ جب آپ ﷺ نے صفا پہاڑی پر کھڑے ہو کر دعوتِ اسلام دی تو مکہ کے سرداروں نے جن میں سخت ترین دشمن بھی شامل تھے آپ کی صداقت و فصاحت کی گواہی دی۔ اسی اسلوب کو آج کے میڈیا کے ذریعے اپنانے کی ضرورت ہے۔ اسلامی اقدار جیسے عدل رحم شکر صبر حیا وفا عفت قناعت توکل عفو و در گزر وغیرہ کو ڈراموں ڈاکیومنٹریز لیکچرز بچوں کے کارٹونز انیمیشن پوڈکاسٹس اور سوشل میڈیا کے ذریعے اس خوبصورتی سے پیش کیا جا سکتا ہے کہ ناظر صرف متاثر ہی نہ ہو بلکہ عملاً ان صفات کو اپنانے پر آمادہ بھی ہو۔[2]

ماضی اور حال کی مثالیں: پاکستان میں علامہ طالب جوہری ڈاکٹر اسرار احمد مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ اور مولانا طارق جمیل جیسے علماء نے ٹی وی ریڈیو اور ڈیجیٹل پلیٹ فارمز پر اسلامی اقدار کو نہایت مہذب علمی اور دلنشین انداز میں پیش کیا جس کے اثرات لاکھوں افراد پر مرتب ہوئے۔ موجودہ دور میں بعض یوٹیوب چینلز اور اسلامی ٹی وی نیٹ ورکس جیسے "مدنی چینل" "Peace TV" وغیرہ نے کئی مسلم گھرانوں کو گناہ کی طرف مائل کرنے کے بجائے خیر کی طرف مائل کیا۔ میڈیا محض تفریح کا ذریعہ نہیں بلکہ ایک فکری طاقت ہے۔ اگر اسے دین کے خادم کے طور پر استعمال کیا جائے تو وہ:

- نوجوانوں میں اعتماد مقصدِ زندگی اور روحانی سکون پیدا کرتا ہے۔
- خاندانی نظام کو مضبوط بناتا ہے۔
- والدین اور اساتذہ کو تربیتی رہنمائی دیتا ہے۔
- عورت کو معاشرے کی محافظ اور باعزت فرد کے طور پر پیش کرتا ہے۔
- نفس پرستی خودکشی مادہ پرستی اور لادینیت جیسے رجحانات کو زائل کرتا ہے۔

اسلامی اقدار کو فروغ دینے والے میڈیا پروگرامز صرف وعظ و نصیحت تک محدود نہ ہوں بلکہ اعلیٰ پروڈکشن متاثر کن اسکرپٹ جذباتی بصیرت اور عصری انداز سے لیس ہوں تاکہ ناظرین ان سے جڑیں اور ان کا اثر دل و دماغ پر نقش ہو جائے۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں: اسلامی ریاست

---

[1]۔ النحل: 125

[2]۔ محمد اسحاق بھٹی، **علماء اہل حدیث کی دینی خدمات**، (لاہور: مکتبہ قدوسیہ، 2012ء)، ص 98۔

کے ذرائع ابلاغ کا پہلا اور دائمی فرض یہ ہے کہ وہ خیر کو خیر اور شر کو شر کی حیثیت سے عوام کے ذہن میں راسخ کرے اور وہی فکر پھیلائے جو قرآن و سنت کی اساس پر قائم ہو۔[1]

ڈراموں فلموں اور ٹاک شوز میں مثبت اسلامی پیغام:

اسلام ایک ایسا جامع دین ہے جو انسان کی تمام جہتوں کو اپنی تعلیمات میں شامل کرتا ہے۔ اگر میڈیا کے مذکورہ پلیٹ فارمز پر اسلام کے اصل تصورِ زندگی مقصدِ حیات صبر شکر عفو ایثار حیا اور عدل جیسے اصولوں کو فکری اور جمالیاتی حسن کے ساتھ پیش کیا جائے تو یہ نہ صرف تفریح ہوں گے بلکہ تربیت کا ذریعہ بھی بنیں گے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:

وَقُلْ لَهُمْ فِيٓ أَنفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِيغًا[2]

"اور ان سے ایسا مؤثر کلام کرو جو ان کے دلوں میں اُتر جائے"

یہی کلامِ بلیغ جب آج کے ڈراموں اور فلموں میں بصری و سمعی انداز سے پیش کیا جائے تو دلوں کی زمین نرم ہو جاتی ہے اور معاشرتی تبدیلی کا بیج پھوٹنے لگتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی دعوتی حکمت عملی میں یہ بات ملتی ہے کہ آپ نے لوگوں کو ان کی معاشرتی عادات و مزاج کے مطابق فہم و تربیت فراہم کی۔ آپ ﷺ کا اسلوب ایسا تھا کہ اگرچہ وہ الفاظ میں سادہ ہوتا مگر پیغام دلوں میں گھر کر جاتا۔ آپ نے مثالوں قصوں اور تشبیہوں سے بات کو دلنشین بنایا جو دراصل "ڈرامائی اسلوبِ ابلاغ" کی اولین شکل تھی۔ ایک موقع پر آپ ﷺ نے اپنے اصحاب سے فرمایا:

مَثَلِي وَمَثَلُ مَا بَعَثَنِيَ اللَّهُ بِهِ كَمَثَلِ رَجُلٍ أَتَى قَوْمَهُ فَقَالَ: يَا قَوْمِ إِنِّي رَأَيْتُ الْجَيْشَ بِعَيْنَيَّ وَإِنِّي أَنَا النَّذِيرُ الْعُرْيَانُ فَالنَّجَاءَ النَّجَاءَ[3]

آپ ﷺ نے اس تمثیل سے نہ صرف اپنی رسالت کا فہم دیا بلکہ ایک بصری اور ذہنی تصویر کشی کر کے اپنی دعوت کو موثر ترین انداز میں پیش کیا۔ آج یہی اسلوب اگر سچائی خیر اور حیا کے موضوعات پر مبنی ڈراموں اور فلموں کے ذریعے اپنایا جائے تو نہ صرف نئی نسل کو راہ دکھائی جا سکتی ہے بلکہ پورے معاشرے کو ہلا کر رکھ دینے والے مسائل جیسے خود کشی ذہنی دباؤ اور اخلاقی انحطاط سے تحفظ بھی دیا جا سکتا ہے۔ مولانا شبلی نعمانی نے ادب اور تہذیب کے باہمی تعلق پر گفتگو کرتے ہوئے لکھا: "ادبِ عالیہ نہ صرف حسنِ بیان کا مجموعہ ہوتا ہے بلکہ وہ تہذیب کا مظہر اخلاق کا معلم اور قومی روح کا آئینہ دار ہوتا ہے۔[4]

یہ جملہ میڈیا کی جمالیات کو اخلاقیات سے ہم آہنگ کرنے کی فکری بنیاد فراہم کرتا ہے موجودہ دور کے بیشتر ڈرامے اور فلمیں خواہ پاکستانی ہوں یا بیرونی معاشرتی بگاڑ غیر حقیقی خواب اور بے حیائی کو عام کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ نوجوان ان سے نہ صرف متاثر ہوتے ہیں بلکہ وہ اپنی زندگی کا موازنہ ان کرداروں سے کرتے ہیں جو دراصل صرف اسکرین پر وجود رکھتے ہیں۔ نتیجتاً احساسِ محرومی ڈیپریشن اور حتیٰ کہ خود کشی جیسے رجحانات جنم لیتے ہیں۔ اب ضرورت اس امر کی ہے کہ ڈراموں میں والدین کے ساتھ حسنِ سلوک صبر و قناعت دینی شعائر اور اجتماعی بھلائی کو کہانی کی بنیاد بنایا جائے فلموں میں گناہ کے انجام اور توبہ کی عظمت کو فنکارانہ انداز میں دکھایا جائے ٹاک شوز میں سماجی مسائل کا اسلامی حل پیش کیا جائے علماء ماہرینِ نفسیات اور فلاحی شخصیات کو شامل کر کے ایک فکری محاذ بنایا جائے۔

1۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی، **اسلام کا نظام حیات**، (لاہور: ترجمان القرآن، 2008ء)، ص 114

2۔ النساء: 63

3۔ بخاری، الجامع الصحیح، **کتاب العلم**، باب فَضْلِ مَنْ عَلِمَ وَعَلَّمَ، رقم 65، ج 1، ص 35

4۔ شبلی نعمانی، **مقالاتِ شبلی**، (لاہور: مجلس ترقی ادب، 2011ء)، ص 243۔

ڈرامہ "الفا براوو چارلی" اور "دھواں" جیسے پروگراموں نے نوجوانوں میں نہ صرف حب الوطنی سچائی ایثار اور ذمہ داری کے جذبات کو بیدار کیا بلکہ کئی لوگ ان کے اثر سے اپنے کیریئر اور کردار میں عملی تبدیلی لائے۔اسی طرح بعض یوٹیوب سیریز جیسے "Deen Talk", "Bayaan Series", "Quran ka Paigham" آج کے نوجوانوں کو دین سے قریب کر رہی ہیں۔

خودکشی پر مبنی منفی مواد کی روک تھام:

عصر حاضر میں جب میڈیا ہر انسان کی جیب اور ہاتھ تک پہنچ چکا ہے وہاں اس کے اثرات بھی براہِ راست انسانی فکر نفسیات اور جذبات پر مرتب ہو رہے ہیں۔ سوشل میڈیا فلمیں ویب سیریز اور میوزک ویڈیوز جیسے ذرائع نے جہاں معلومات کی فوری ترسیل کو ممکن بنایا ہے وہیں افسوس کے ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ یہ ذرائع خودکشی کو بعض اوقات رومانوی بہادرانہ یا قابل رحم عمل کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ نوجوان جو عمر کی ناپختگی اور ذہنی الجھنوں کے دور سے گزر رہے ہوتے ہیں ایسے منفی پیغامات سے متاثر ہو کر شدید ذہنی دباؤ مایوسی اور لاچاری کے عالم میں خودکشی جیسے غیر فطری فعل کی طرف راغب ہو جاتے ہیں۔ بعض انٹرنیٹ گیمز جیسے "Blue Whale" اور "Momo Challenge" نے تو خودکشی کو باقاعدہ "مشن" کے طور پر پیش کیا۔[1] یہی نہیں کچھ فلموں اور ناولز میں دکھایا جانے والا "خودکشی کا عظیم انجام" دراصل ذہنی و جذباتی طور پر متاثرہ افراد کے لیے ایک مہلک جال ہے۔ ایسے میں اسلامی معاشروں ریاستی اداروں میڈیا نگران اداروں اور دینی قیادت پر لازم ہے کہ اس منفی رجحان کی بیخ کنی کے لیے فوری حکیمانہ اور مربوط حکمتِ عملی اپنائی جائے۔ اسلام نے انسانی جان کو اللہ کی امانت قرار دیا ہے۔ کوئی شخص اپنی جان لینے کا حق نہیں پھر یہ کیسے ممکن ہے معاشرے میں ایسے رجحانات کو فروغ دیا جائے جو خودکشی کو معمول یا ہیروزم کے روپ میں دکھائیں۔

منفی مواد کی اقسام:

فلمی منظر نامے: ان میں اکثر وہ کردار جو خودکشی کرتے ہیں انہیں مظلوم معصوم اور "قربانی کا ہیرو" بنا کر پیش کیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر بالی ووڈ فلموں میں ایسے سین بارہا نظر آتے ہیں جن میں محبوب کی جدائی یا خاندان کا دباؤ خودکشی کی بنیاد بنتا ہے۔

ویب سیریز اور یوٹیوب کلپس: یہ مواد چونکہ کم سنسر شدہ ہوتا ہے اس لیے خودکشی کی تفصیلات طریقے اور محرکات کو نہایت سنسنی خیز انداز میں پیش کیا جاتا ہے۔

میوزک اور شاعری: افسردگی پر مبنی گانوں اور شاعری میں خودکشی کو درد کا حسن بنا کر پیش کیا جاتا ہے جو شدید ذہنی خلفشار میں مبتلا نوجوانوں کے لیے ایک نازک محرک بن جاتا ہے۔

سوشل میڈیا چیلنجز اور میمز: بعض اوقات خودکشی کے موضوع پر بنائے گئے memes اور challenges بچوں اور نوعمر ذہنوں کو ہنسی مذاق میں خطرناک عمل کی طرف دھکیل دیتے ہیں۔[2]

میڈیا ہاؤسز سوشل پلیٹ فارمز اور فلم بورڈز کو اس بات کا پابند کیا جائے کہ وہ کسی بھی قسم کا خودکشی پر مبنی مواد پہلے ماہرِ نفسیات ماہرِ تعلیم اور دینی سکالرز کے مشورے کے بغیر شائع یا نشر نہ کریں۔ پاکستان میں PEMRA اور Cyber Crime Units اس ضمن میں مؤثر کردار ادا کر سکتے

---

[1]۔ محمد اقبال کیلانی، **اسلام میں میڈیا کا کردار**، (لاہور: مکتبہ اسلامیہ، 2006ء)، ص 84

[2]۔ ایضاً

ہیں۔علماء دینی ادارے اور اسلامی اسکالرز کو چاہیے کہ وہ نہ صرف منبروں پر بلکہ میڈیا پلیٹ فارمز پر بھی فعال ہوں اور خودکشی کے غیر اسلامی اور مہلک نتائج پر روشن اور مؤثر بیانیہ تشکیل دیں۔

دینی اسکالرز کے ساتھ مل کر خصوصی سیریز ڈاکیومینٹریز:

موجودہ دور میں میڈیا صرف معلومات کی ترسیل کا ذریعہ نہیں رہا بلکہ یہ فکری تشکیل رجحانات کی تشکیل اور اجتماعی ذہن سازی کا سب سے طاقتور ہتھیار بن چکا ہے۔جب معاشرہ کسی سماجی یا اخلاقی بحران سے گزر رہا ہو تو محض منبر یا مکتب کافی نہیں ہوتا بلکہ میڈیا کا مؤثر استعمال ناگزیر بن جاتا ہے۔خودکشی جیسے المناک اور بڑھتے ہوئے رجحان کے پس منظر میں اگر اسلامی رہنمائی کو عوام تک پہنچانا ہے تو روایتی ذرائع ابلاغ کے ساتھ ساتھ جدید میڈیا فارمٹس مثلاً ڈاکیومینٹریز ٹی وی سیریز اور ویڈیوز کی مدد سے دینی اسکالرز کی زبان میں پیغام کو مؤثر انداز میں پیش کرنا ہوگا۔اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ایک ایسا بیانیہ ترتیب دینا جو زندگی کے احترام صبر توکل رجاء اور اللہ تعالیٰ کی رحمت جیسے موضوعات پر مرکوز ہو وقت کی ضرورت ہے۔اس میں اگر جید علماء مفتیان کرام اور دینی اسکالرز شامل ہوں تو یہ پیغام نہ صرف مستند ہوگا بلکہ قلوب میں اترنے والا بھی ہوگا۔اسلام نے زندگی کو اللہ تعالیٰ کی نعمت قرار دیا ہے اور کسی بھی طرح کی خودکشی یا خود کو اذیت دینے کو نہ صرف حرام بلکہ ناقابلِ معافی جرم قرار دیا ہے۔قرآن کریم فرماتا ہے:

"وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ"[1]

ترجمہ:"اور اس جان کو قتل نہ کرو جسے اللہ نے حرام قرار دیا ہے مگر حق کے ساتھ۔"

اس اہم تعلیم کو اگر صرف دینی حلقوں تک محدود رکھا جائے تو وہ اثر نہیں ہوگا جو وسیع البنیاد میڈیا کے ذریعے ممکن ہے۔اس لیے اب وقت آگیا ہے کہ دینی اسکالرز میڈیا پروڈیوسرز اور سوشل انفلوئنسرز مل کر ایک ایسا مضبوط مربوط اور مربوط میڈیا نیٹ ورک قائم کریں جو عقیدے کی بنیاد پر امید اخلاق کی بنیاد پر تربیت اور شریعت کی روشنی میں رہنمائی فراہم کرے۔[2]

یہ حقیقت اب ناقابلِ انکار ہو چکی ہے کہ موجودہ نسل ٹی وی سے زیادہ سوشل میڈیا اور ویژوئل مواد سے متاثر ہوتی ہے۔اس تبدیلی کو نظرانداز کرنا گویا ایک نسل کو دینی رہنمائی سے محروم کر دینا ہے۔علماء اور دینی اسکالرز اگر صرف مساجد یا دروس تک محدود رہیں گے تو ان کی آواز اس ہجوم میں دب جائے گی جہاں ہر طرف معلومات کا شور ہے لیکن حقیقت کا سکوت ہے۔اس لیے ضروری ہے کہ دین کی خدمت کرنے والے افراد جدید ترین ذرائع سے لیس ہو کر سامنے آئیں۔ان کی زبان پر قرآنی حکمت ہو دل میں درد ہو اور اسلوب ایسا ہو جو ذہن کو بیدار کرے اور دل کو روشن کرے۔یہی ڈاکیومینٹریز اور سیریز دراصل وہ دعوتِ حق کی نئی جہتیں ہیں جو امتِ مسلمہ کی اصلاح اور نوجوانوں کی سمت درست کرنے کا سبب بن سکتی ہیں۔

میڈیا اور علماء کا اشتراک:

اسلامی تہذیب ہمیشہ سے ایک متوازن معاشرت کی علمبردار رہی ہے۔اس میں نہ صرف روحانی ارتقاء بلکہ معاشرتی تحفظ اور فرد کی فلاح کو بھی بنیادی اہمیت حاصل ہے۔آج کا دور جس تیزی سے نفسیاتی مسائل ذہنی دباؤ اور معاشرتی بے سکونی کا شکار ہو رہا ہے اس میں خودکشی کا بڑھتا ہوا

---

[1]۔الاسراء:33

[2]۔سید ابوالاعلیٰ مودودی، **اسلام اور جدید ذہنیت**،(لاہور:ادارہ ترجمان القرآن،2012ء)،ص 41

رجحان ایک سنجیدہ اور افسوسناک حقیقت ہے۔ایسے نازک وقت میں اگر دین اور میڈیا دونوں کے درمیان ایک مربوط اور متحرک اشتراک قائم ہو جائے تو یہ ایک ایسا جامع حل پیش کر سکتا ہے جو فرد خاندان اور معاشرے تینوں کو زندگی سے محبت اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید کی طرف لے آئے۔

زندگی کی امید جیسی مہمات محض اشتہاری یا وقتی سرگرمیاں نہیں ہوتیں بلکہ یہ ایک نظریاتی اخلاقی اور دینی شعور پر مبنی مسلسل تحریک بن سکتی ہیں اگر انہیں علمی فکری اور میڈیا کی طاقت سے لیس کیا جائے۔اس مہم کا بنیادی مقصد لوگوں کو قرآن و سنت کی روشنی میں حیاتِ انسانی کی عظمت اور مشکلات سے نبرد آزما ہونے کا دینی نقطۂ نظر سکھانا ہے۔اسلام دینِ فطرت ہے اور انسانی فطرت میں امید صبر اور اللہ پر توکل جیسے عناصر بنیادی ہیں۔نبی اکرم ﷺ نے زندگی کے ہر مرحلے میں مایوسی کے خلاف عملی و لسانی جہاد کیا۔قرآن کریم کی تعلیمات اس اصول پر واضح ہیں کہ مایوسی ایمان کے منافی ہے۔ارشادِ ربانی ہے:

"قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِن رَّحْمَةِ اللَّهِ"[1]

ترجمہ: "کہہ دیجیے: اے میرے وہ بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو۔"

ایسی آیتِ کریمہ کو اگر مؤثر میڈیا مہم میں شامل کر کے دینی اسکالرز کی آواز میں عوام تک پہنچایا جائے تو وہ ایک جذباتی و عقلی اثر رکھتی ہے۔اسی تناظر میں "زندگی کی امید" جیسی مہمات کی اشد ضرورت ہے۔

"زندگی کی امید" مہمات:

یہ مہم ایسی ہونی چاہیے جو قرآنی اور حدیثی رہنمائی پر مشتمل دلنشین ویڈیوز پر مبنی ہو جن میں جید علماء روزمرہ کی زندگی کی مشکلات کو اسلامی بصیرت کے ساتھ واضح کریں اور نوجوانوں کو امید اور رجاء کا پیغام دیں۔ریڈیو ٹی وی اور یوٹیوب جیسے ذرائع ابلاغ پر "زندگی کی امید" کے عنوان سے ایک جامع سیریز پیش کی جاسکتی ہے جس کی ہر قسط کسی نفسیاتی یا معاشرتی مسئلے پر مرکوز ہو اور اس کا حل قرآن و سنت کی روشنی میں پیش کیا جائے۔اگر اس مہم میں مفتی تقی عثمانی مفتی منیب الرحمن یا ڈاکٹر اسرار احمدؒ جیسی معروف و معتبر دینی شخصیات کے ارشادات اور بیانات کو شامل کیا جائے تو اس کی افادیت اور اثر انگیزی میں غیر معمولی اضافہ ممکن ہے۔اس مہم کو صرف انفرادی سطح پر محدود رکھنے کے بجائے تمام دینی مدارس مرکزی مساجد اور جامعات کی سطح پر باضابطہ ادارہ جاتی شکل دی جائے جہاں لٹریچر پوسٹرز اور تربیتی ورکشاپس کے ذریعے اسے عملی صورت دی جائے۔اردو علمی روایت سے استشہاد کرتے ہوئے علامہ شبلی نعمانیؒ کا قول اس مہم کی فکری جہت کو مستحکم کرتا ہے: "اصلاحِ خلق کے لیے صرف منبر کافی نہیں قلم زبان اور ہر وہ وسیلہ استعمال ہونا چاہیے جو عوام الناس کے دل و دماغ میں پہنچنے کی قدرت رکھتا ہو[2]"۔درحقیقت "زندگی کی امید" محض ایک اصطلاح نہیں بلکہ ایک فکری و عملی نظریہ ہے جو انسان کو اس کی اصل حقیقت سے روشناس کراتا ہے اور یہ باور کراتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہر درد سے وسیع تر ہے اور ہر تاریکی کے بعد روشنی مقدر ہے۔جب موجودہ میڈیا کا ایک بڑا حصہ بے ہودگی مادہ پرستی اور مایوسی پھیلانے کا ذریعہ بن رہا ہے تو یہ ناگزیر ہو جاتا ہے کہ علماء کرام دینی بیانیے کو میڈیا کے ذریعے عوام تک پہنچائیں۔اگر علماء میڈیا کی زبان میں بات کریں اور میڈیا

---

[1] ۔الزمر: 53

[2] ۔شبلی نعمانی، **سیرۃ النعمان**، لاہور: دار المصنفین، 1981ء، ص 143

علماء کی روحانی صداقت سے جڑ جائے تو معاشرے میں نہ صرف خودکشی کے بڑھتے رجحان کو کم کیا جاسکتا ہے بلکہ امید تعمیر اور نیکی پر مبنی ایک اجتماعی شعور بھی تشکیل دیا جاسکتا ہے۔

سوشل میڈیا پر دینی رہنمائی:

جدید دنیا میں جہاں سوشل میڈیا نے رابطے کے ذرائع کو نئی جہت دی ہے وہیں یہ انسانی ذہن عقائد اور اقدار پر گہرا اثر ڈالنے والا ایک ناقابلِ انکار پلیٹ فارم بن چکا ہے۔ ایک طرف یہ نوجوان نسل کو علم و آگاہی تک رسائی کا وسیع ذریعہ مہیا کرتا ہے تو دوسری طرف اس کا منفی استعمال ذہنی خلفشار احساسِ کمتری اور زندگی سے مایوسی جیسے سنگین مسائل کو جنم دے رہا ہے۔ ایسے حالات میں اگر سوشل میڈیا کو دینی رہنمائی اور مثبت ذہنی رجحانات کی ترویج کے لیے استعمال کیا جائے تو یہ محض ٹیکنالوجی کا استعمال نہیں بلکہ تبلیغِ دین کا ایک مؤثر اور ہم عصر طریقہ بن سکتا ہے۔[1]

اسلامی تعلیمات کا خاصہ یہ ہے کہ وہ ہر دور میں انسان کو اس کی فطرت کے مطابق خیر کی طرف بلاتی ہیں۔ آج جب خودکشی جیسے سنگین جرائم سوشل میڈیا کے غیر ذمہ دارانہ رویوں سے فروغ پا رہے ہیں تو دینی اسکالرز اور اسلامی اداروں کی یہ اہم ترین ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ اسی پلیٹ فارم کو اصلاح اور رہنمائی کے لیے استعمال کریں۔ یہ وہی منبر ہے جس سے دنیا بھر کے نوجوانوں تک قرآن حدیث اور سیرتِ طیبہ کی روشنی پہنچائی جاسکتی ہے۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

بَلِّغُوا عَنِّي وَلَوْ آيَةً[2]

ترجمہ: "میری طرف سے (لوگوں تک) پہنچاؤ چاہے ایک آیت ہی کیوں نہ ہو۔"

اسلامی تعلیمات اپنے اندر وہ وسعت اور حکمت رکھتی ہیں کہ دین کی تبلیغ صرف منبر مسجد یا مدرسہ تک محدود نہ رہے بلکہ ہر ایسا وسیلہ اختیار کیا جائے جو بصیرت حکمت اور اثر پذیری کا حامل ہو۔ سوشل میڈیا ایک ایسا ہی عصری ذریعہ ہے جو اگر اہل علم کے ہاتھ میں ہو تو یہ دینی رہنمائی اخلاقی اصولوں روحانی سکون اور سماجی آگہی کی ترسیل کا طاقتور ذریعہ بن سکتا ہے۔ اس کے ذریعے علما اور دینی ادارے ایسے مختصر مگر بامعنی کلپس نشر کر سکتے ہیں جیسے "ایک منٹ کا علم" "قرآنی سبق" یا "سیرت کا موتی" جو بظاہر مختصر ہوں مگر دلوں کو متاثر کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ اسی طرح لائیو سیشنز اور سوال و جواب کے فورمز کے ذریعے نوجوان نسل کو ایک ایسا ماحول مہیا کیا جاسکتا ہے جہاں وہ اپنی فکری و عملی الجھنیں بیان کر سکیں اور انہیں شرعی بصیرت کے ساتھ رہنمائی حاصل ہو۔ جدید دور میں نفسیاتی مسائل بڑھتے جا رہے ہیں ایسے میں اگر مایوسی صبر توکل اور قلبی سکون جیسے موضوعات کو دینی انداز میں پیش کیا جائے تو یہ صرف معلوماتی نہیں بلکہ علاجی حیثیت بھی رکھتے ہیں۔ مثال کے طور پر "مایوسی سے بچاؤ کیسے ہو؟" "توکل کی عملی صورت" اور "زندگی میں صبر کی طاقت" جیسے موضوعات عملی رہنمائی فراہم کرتے ہیں۔ اس ضمن میں سیریز اور ڈاکیومینٹریز جیسے "زندگی کا مقصد کیا ہے؟" "مایوسی کیوں حرام ہے؟" یا "میں کیوں جیتا ہوں؟" جیسے عنوانات کو سوشل میڈیا کے قالب میں ڈھال کر پیش کرنا خودکشی جیسے رجحانات کے سدباب میں کلیدی کردار ادا کر سکتا ہے۔ مزید برآں خودکشی سے متعلق اسلامی فتاویٰ اور ان کی آسان

---

[1]۔ شبلی نعمانی، **سیرۃ النعمان**، ص 143

[2]۔ بخاری، الجامع الصحیح، **کتاب العلم**، باب بلغوا عني، رقم 3461، ج 2، ص 236

زبان میں وضاحت نوجوانوں کو آخرت کے انجام سے باخبر رکھ کر انہیں عملی زندگی کی طرف راغب کر سکتی ہے۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ اس سلسلے میں تنبیہ کرتے ہیں کہ "اگر صالح افراد سوشیائی ذرائع پر دستبردار ہو جائیں تو باطل ان پر قبضہ جمالیتا ہے۔ دینی تبلیغ کا اصل مقصد یہ ہونا چاہیے کہ جہاں فتنہ ہو وہیں دین کی شمع روشن کی جائے[1] ان تمام اقدامات کا مجموعی مقصد یہ ہونا چاہیے کہ اسلام کی روشنی جدید ذرائع ابلاغ کے ذریعے ہر اس جگہ پہنچے جہاں تاریکی غالب ہے تاکہ معاشرے میں امید سکون اور مثبت کو فروغ دیا جاسکے۔

بین المذاہب اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی کی کوششیں:

اسلامی تعلیمات کا بنیادی جوہر اخوت رحمت اور وحدت ہے۔ قرآن مجید جس دین کا تعارف کراتا ہے وہ "رب العالمین" کا دین ہے نہ کہ محض کسی ایک گروہ نسل یا قوم کا۔ لیکن المیہ یہ ہے کہ عالمِ اسلام میں فرقہ واریت اور عالمی سطح پر بین المذاہب تصادم نے امت کی فکری و عملی طاقت کو منتشر کر دیا ہے۔ ایسے میں وحدتِ امت اور بین المذاہب ہم آہنگی نہ صرف دینی تقاضا ہے بلکہ عصرِ حاضر میں انسانیت کی بقا کی ضامن بھی ہے۔ آج جب خودکشی ذہنی خلفشار اور معاشرتی انارکی جیسے مسائل بڑھتے جارہے ہیں تو ضرورت اس بات کی ہے کہ اسلامی ادارے علماء اور میڈیا مل کر ایک ایسا بیانیہ مرتب کریں جو لوگوں کو فکری انتشار سے نکال کر روحانی سکون اور دینی مرکزیت کی طرف واپس لائے۔ اسلام اس بات پر زور دیتا ہے کہ اختلاف رائے کو دشمنی میں نہ بدلو بلکہ افہام و تفہیم کے ذریعے معاشرے کو خیر و صلاح کی طرف لے جاؤ۔ نبی کریم ﷺ کی سیرت طیبہ اور خلفائے راشدین کا طرزِ حکمرانی فرقہ واریت نہیں بلکہ اجتماعیت اور مشترکہ خیر پر مبنی تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا[2]

ترجمہ: "اور سب کے سب اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور تفرقہ مت ڈالو"

اور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

المؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا[3]

"مؤمن دوسرے مؤمن کے لیے ایسے ہیں جیسے ایک عمارت کے مختلف حصے جو ایک دوسرے کو مضبوط کرتے ہیں۔"

قرآن وسنت کی تعلیمات واضح طور پر اس بات پر زور دیتی ہیں کہ مسلمانوں کے درمیان باہمی اتحاد نہ صرف عبادت کا درجہ رکھتا ہے بلکہ ان کی اجتماعی فلاح و بقا کا ضامن بھی ہے۔ عصرِ حاضر میں جب فرقہ واریت مذہبی تعصب اور بین المذاہب نفرت نے معاشروں کو شدید فکری انتشار کا شکار کر رکھا ہے تو ایسے میں اسلامی اداروں علماء کرام اور ذرائع ابلاغ کی ذمہ داری کئی گنا بڑھ جاتی ہے کہ وہ مذہبی وحدت رواداری اور بین المسالک ہم آہنگی کا پیغام ہر طبقۂ فکر تک مؤثر انداز میں پہنچائیں۔ اگر پاکستان اور دیگر اسلامی ممالک میں مختلف مسالک سے تعلق رکھنے والے علماء خودکشی جیسے حساس معاشرتی مسائل پر مشترکہ پلیٹ فارم سے متفقہ آواز بلند کریں تو نہ صرف امت مسلمہ کے درمیان دینی یکجہتی کا پیغام جائے گا بلکہ نوجوان نسل میں ایک اجتماعی تحفظ اور فکری اعتماد بھی پیدا ہوگا۔ اس حوالے سے جمعہ کے خطبات میں "اختلاف رحمت ہے نفرت نہیں" جیسے عنوانات کو اختیار کر کے عوام کو یہ باور کرایا جاسکتا ہے کہ فقہی اختلافات اسلام کی وسعت کی علامت ہیں دشمنی کی نہیں۔ دینی مدارس اور جامعات میں ایسے

---

[1]۔ ابوالاعلیٰ مودودی، **اسلام کا نظام حیات**، (لاہور: ادارہ ترجمان القرآن، 1986ء)، ص 287۔

[2]۔ آل عمران: 103

[3]۔ بخاری، الجامع الصحیح، **کتاب الادب**، باب تعاون المؤمنین، رقم 2446، ج 2، ص 344

مضامین شامل کیے جائیں جو نوجوانوں کو امت کی وحدت اور اسلامی تنوع کی قدر سکھائیں اور انہیں فرقہ واریت کے خطرناک اثرات سے آگاہ کریں۔ میڈیا پر بھی ایک ایسا بیانیہ تشکیل دینا ضروری ہے جو تمام مکاتبِ فکر کے علماء کو بغیر تعصب کے ایک ساتھ جمع کرے اور دین کے مشترکہ اصولوں پر گفتگو کو فروغ دے۔ اس ضمن میں سیرتِ طیبہ سے ہمیں مدینہ کے معاشرتی ماڈل کی مثال ملتی ہے جہاں رسول اللہ ﷺ نے یہودیوں اور دیگر قبائل کے ساتھ میثاقِ مدینہ کے تحت ایک ایسا فلاحی اور تکثیری معاشرہ قائم کیا جس کی بنیاد امن عدل اور رواداری پر تھی۔ یہی اصول اگر آج ہم اپنے سماج میں اپنائیں تو نہ صرف اسلامی معاشرہ بلکہ پوری انسانیت خودکشی مایوسی اور انتشار جیسے فتنوں سے محفوظ ہو سکتی ہے۔ اس فکری زاویے کی تائید مفکر اسلام مولانا وحید الدین خان کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے کہ: "اسلام کا اصل مزاج یہ ہے کہ وہ انسانی یکجہتی کو فروغ دے۔ تفرقہ تعصب اور فرقہ پرستی کی ہر شکل اسلام کی روح کے منافی ہے۔ جو دین اپنے ماننے والوں کو بھائی بناتا ہے وہ دوسروں سے نفرت سکھا ہی نہیں سکتا۔"[1]

مختلف مکاتبِ فکر کی مشترکہ کاوشیں:

اسلام ایک ایسا ہمہ گیر دین ہے جس نے فکری اختلاف کو ایک فطری عمل تسلیم کیا ہے مگر ساتھ ہی اس بات کی سخت تاکید کی کہ یہ اختلاف امت کے انتشار افتراق یا فتنہ و فساد کا سبب نہ بنے۔ امتِ مسلمہ کی تاریخ میں مختلف مکاتبِ فکر کا وجود رہا ہے مگر جب کبھی امت کو اجتماعی مسائل نے گھیر لیا تب تمام مکاتبِ فکر نے اپنی فکری حدود سے بلند ہو کر وحدتِ امت کی مثال قائم کی۔ آج بھی جبکہ جدید معاشرتی اور نفسیاتی مسائل خاص طور پر خودکشی جیسے پیچیدہ الیے سامنے آ رہے ہیں مختلف مکاتبِ فکر کی مشترکہ کوششیں وقت کی اہم ترین ضرورت بن چکی ہیں۔ یہ وہ مسئلہ ہے جو نہ سنی ہے نہ شیعہ؛ نہ دیوبندی ہے نہ بریلوی بلکہ انسانیت کا مسئلہ ہے اور اسے بھی دینِ اسلام کی روشنی میں سلجھانے کی ضرورت ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے:

إِنَّ هَٰذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُونِ[2]

"بے شک تمہاری یہ امت ایک ہی امت ہے اور میں تمہارا رب ہوں پس میری ہی عبادت کرو"

نبی اکرم ﷺ نے بھی فرمایا:

يَدُ اللهِ مَعَ الْجَمَاعَةِ[3]

"اللہ کا ہاتھ جماعت کے ساتھ ہوتا ہے"

موجودہ دور میں جب فکری بکھاؤ فرقہ واریت اور مسلکی تنگ نظری نے نوجوانوں کو ذہنی تناؤ روحانی بے سکونی اور دینی اجنبیت میں مبتلا کر دیا ہے ایسے میں مختلف مکاتبِ فکر کی مشترکہ اور ہم آہنگ کوششیں ناگزیر ہو چکی ہیں بالخصوص ان حساس مسائل کے تناظر میں جو نوجوانوں کو خودکشی جیسے خطرناک اقدام کی طرف مائل کر رہے ہیں۔ اگر پاکستان کے بڑے دینی بورڈز جیسے وفاق المدارس العربیہ تنظیم المدارس اہل سنت جماعت اہل حدیث اور شیعہ ادارے اس مسئلے پر ایک مشترکہ فتویٰ جاری کریں جس میں قرآن و سنت کی روشنی میں نہ صرف اس فعل کی شرعی

---

[1]۔ وحید الدین خان، **اسلام ایک تعارف**، ص 175

[2]۔ الانبیاء: 92

[3]۔ ترمذی، **کتاب الفتن**، باب لزوم الجماعۃ، رقم 2165، ج 4، ص 216

حرمت بلکہ اس کے نفسیاتی محرکات پر بھی روشنی ڈالی جائے تو ایک مضبوط اور ہم آہنگ دینی بیانیہ تشکیل پا سکتا ہے جو ذہنی خلفشار کے شکار نوجوانوں کے لیے رہنمائی کا ذریعہ بنے۔اس کے ساتھ اگر "پیغامِ پاکستان" جیسے قومی فورمز کی طرز پر "پیغامِ زندگی" کے عنوان سے سیمینارز اور کانفرنسز کا انعقاد کیا جائے تو یہ نہ صرف مذہبی طبقات کے درمیان عملی اتحاد کی علامت ہوگا بلکہ میڈیا مدارس اور جامعات کے لیے ایک فکری روڈمیپ فراہم کرے گا۔ بریلوی دیوبندی اہلِ حدیث اور شیعہ جامعات اگر ذہنی صحت صبر توکل اور امید پر مبنی نصاب مرتب کریں تو ایک ایسا ہم آہنگ تعلیمی کلچر پروان چڑھ سکتا ہے جو نئی نسل کو نہ صرف علمی پختگی بلکہ روحانی استقامت بھی عطا کرے گا۔ میڈیا پر بھی ان مکاتب کے علماء کو بلا کر خودکشی کی حرمت اللہ پر توکل قناعت اور صبر جیسے متفقہ موضوعات پر گفتگو کروائی جائے تو ناظرین میں مثبت سوچ اور دینی وحدت کا تصور فروغ پائے گا۔اسی تسلسل میں اگر جمعہ کے خطبات میں خودکشی کے خلاف بیانیہ پیش کیا جائے اور اجتماعی دعاؤں کا اہتمام کیا جائے تو یہ ایک معاشرتی تحریک کی شکل اختیار کر سکتا ہے جس سے عوام کو یہ پیغام ملے گا کہ دینی قیادت ان کے حقیقی مسائل سے واقف اور فعال ہے۔اس فکری رجحان کی تائید کرتے ہوئے مولانا ڈاکٹر محمد رضوان الرحمن لکھتے ہیں - مسلکی اختلافات کو امت کی وحدت کے خلاف سمجھنے کی بجائے ان کی علمی حیثیت کو تسلیم کرتے ہوئے مشترکہ مسائل میں باہمی اشتراک وقت کا تقاضا ہے۔خاص طور پر وہ مسائل جو پوری انسانیت کو درپیش ہیں ان پر تمام مکاتب کا متحد ہونا نہ صرف اسلام کی اعتدال پسندانہ روح کا مظہر ہے بلکہ امت کے نوجوانوں کو بے راہ روی سے بچانے کا ذریعہ بھی ہے۔[1]

اسلامی ریاست:

اسلامی ریاست کا قیام محض ایک انتظامی عدالتی یا عسکری ساخت نہیں بلکہ ایک روحانی اخلاقی اور نظریاتی امامت ہے۔ جس کا بنیادی مقصد دینِ اسلام کے اصولوں کی روشنی میں ایک ایسا معاشرہ تشکیل دینا ہوتا ہے جو عدل اور حیاتِ طیبہ کا مظہر ہو۔ریاست افراد کے عقائد افکار اور روحانی تربیت میں جس قدر سہولت فراہم کرتی ہے معاشرہ اتنا ہی مطمئن معتدل اور متوازن ہوتا ہے۔دینی ادارے جیسے مدارس، مساجد، دعوتی مراکز اور تحقیقی جامعات معاشرتی اصلاح فکری تربیت اور روحانی تزکیہ کے وہ قلعے ہیں جن کا تعاون ریاست کی اولین ذمہ داریوں میں شامل ہے۔جب اسلامی ریاست ان اداروں کو صرف فنڈز ہی نہیں بلکہ فکری تعلیمی اور دعوتی آزادی بھی فراہم کرتی ہے تو پورے معاشرے میں فلاحی و ایمانی شعور کی لہر دوڑ جاتی ہے جو ایسے جرائم جیسے خودکشی جیسے فعلِ حرام کو جڑ سے اکھاڑنے کا ذریعہ بنتی ہے۔قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

الَّذِينَ إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنكَرِ ۗ وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ[2]

"یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم انہیں زمین میں اقتدار عطا کریں تو وہ نماز قائم کریں زکوٰۃ ادا کریں نیکی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں اور تمام کاموں کا انجام اللہ ہی کے اختیار میں ہے"

اسلامی ریاست دینی اداروں کی پشت پناہی صرف مالی معاونت کی صورت میں نہیں بلکہ فکری انتظامی اور اخلاقی سپورٹ کی صورت میں بھی کرتی ہے۔آج جب خودکشی جیسا مہلک فعل ہماری نوجوان نسل کو لپیٹ میں لے رہا ہے تو یہ بات انتہائی اہم ہو جاتی ہے کہ دینی اداروں کو ریاستی سرپرستی میں وہ قوت اثر اور خود اعتمادی ملے جس سے وہ اس ناسور کا قلع قمع کر سکیں۔

---

[1]۔ محمد رضوان الرحمن، **دورِ حاضر کے اجتماعی مسائل اور علماء کی ذمہ داریاں**، (لاہور: مرکزِ اسلامی تحقیقات، 2020ء)، ص 102۔

[2]۔ الحج: 41

مالی معاونت اور خود انحصاری: مدارس و جامعات جو اسلامی تعلیمات کا مرکز ہیں اکثر مالی پریشانیوں کے باعث جدید تعلیمی تقاضے نفسیاتی معاونت اور طلبہ کی مکمل ذہنی و روحانی تربیت فراہم کرنے سے قاصر رہتے ہیں۔ اسلامی ریاست اگر ان اداروں کو باضابطہ فنڈنگ دے بغیر کسی سیاسی یا فکری مداخلت کے تو یہ ادارے خودکشی جیسے مسائل پر محققانہ ریسرچ تربیتی پروگرامز اور روحانی اصلاحی سیشنز کے انعقاد کے قابل بن سکتے ہیں۔

آزادیِ عمل واظہار: دینی اداروں کو صرف مالی امداد نہیں بلکہ فکری خود مختاری بھی درکار ہے۔ جب ان اداروں کو یہ آزادی حاصل ہو کہ وہ معاشرتی مسائل پر کھل کر گفتگو کر سکیں خودکشی جیسے ممنوعات پر اسلامی بیانیہ مرتب کریں اور ریاستی سطح پر اپنے مشورے دے سکیں تو یہ معاشرے میں حقیقی اصلاح کا محرک بن سکتے ہیں۔

قانونی تحفظ اور ریاستی اشتراک: اسلامی حکومت کا فریضہ ہے کہ وہ دینی اداروں کو قانونی تحفظ فراہم کرے۔ ایسی قانون سازی کی جائے جس کے تحت ان اداروں میں نفسیاتی معاونت تربیتی نصاب اور خودکشی کے انسداد کے لیے اسلامی رہنمائی کو لازمی جزو بنایا جائے۔ ساتھ ہی ریاستی سطح پر علماء و مشائخ کو دعوت دے کر نیشنل انسداد خودکشی پالیسی تشکیل دی جائے جس میں دینی اور نفسیاتی دونوں پہلو شامل ہوں۔

ترقیاتی شراکت داری: ریاست اگر دینی اداروں کو صرف عبادات کا مرکز نہ سمجھے بلکہ ان کی دعوتی سماجی اور نفسیاتی خدمات کو بھی تسلیم کرے تو یہ ادارے ذہنی الجھنوں نفسیاتی دباؤ خاندانی بحران اور روحانی خلا جیسے عوامل کا مؤثر علاج پیش کر سکتے ہیں۔ یہ وہی پلیٹ فارم ہیں جہاں نوجوان اعتماد یقین توکل قناعت اور زندگی کے مقصد سے آشنا ہو سکتے ہیں معروف محقق اور مفکر مولانا شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں: اسلامی ریاست کا فرض ہے کہ وہ دینی اداروں کو نہ صرف مالی استحکام دے بلکہ ان کے فکری و تربیتی مشن کو ملکی سطح پر نافذ کرے تاکہ اخلاقی سماجی اور روحانی بیماریوں کا سد باب کیا جا سکے۔ دینی ادارے معاشرتی روح کا آئینہ ہیں اور ریاست کی نجات کا ذریعہ بھی۔[1]

علماء کو پالیسی سازی میں شامل کرنا:

اسلامی تاریخ کا مطالعہ اس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ دینِ اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے جو زندگی کے ہر پہلو میں رہنمائی فراہم کرتا ہے خواہ وہ فرد کی ذاتی زندگی ہو یا اجتماعی نظم و نسق۔ شریعتِ اسلامیہ کا جوہر یہی ہے کہ اس میں دینی اصولوں کو عملی زندگی میں نافذ کیا جائے اور یہ عمل اس وقت مکمل ہوتا ہے جب اہلِ علم خاص طور پر علماء کرام کو نہ صرف معاشرتی رہنمائی میں بلکہ ریاستی و حکومتی پالیسی سازی میں بھی فعال کردار دیا جائے۔ اسلام میں اہلِ علم کا مقام فقط علمی و فکری حدود تک محدود نہیں بلکہ وہ امت کی فکری و روحانی قیادت کے منصب پر فائز ہوتے ہیں۔ اس لیے موجودہ دور کے پیچیدہ سماجی نفسیاتی اور اخلاقی مسائل جیسے کہ خودکشی کا رجحان صرف اس وقت مؤثر طور پر حل ہو سکتے ہیں جب علماء کو حکومتی پالیسی سازی میں شامل کیا جائے اور ان کے فکری اثاثے کو عملی فیصلوں میں منتقل کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ[2]

"تو کیوں نہ ہر جماعت میں سے کچھ لوگ نکلیں تاکہ دین کی سمجھ حاصل کریں اور جب وہ اپنی قوم کی طرف لوٹیں تو انہیں ڈرائیں شاید وہ بچ جائیں"

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

---

[1] ۔ شبیر احمد عثمانی، **اسلام اور ریاست**، (لاہور: ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، 1981ء)، ص 74۔

[2] ۔ توبہ: 122

مَنْ يُرِدِ اللَّهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ[1]

"جس کے ساتھ اللہ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اسے دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے"

اسلامی معاشرہ دراصل ایک زندہ اور متحرک پیکر ہے جس کی فکری و روحانی بنیاد علماء کی بصیرت اخلاقی قوت اور علمی تجربات پر قائم ہوتی ہے؛ چنانچہ اگر کوئی ریاست یہ چاہتی ہے کہ وہ اپنے معاشرتی مسائل کا حل اسلامی اصولوں کی روشنی میں تلاش کرے اور اس کی پالیسیوں میں روحِ شریعت شامل ہو تو اس کے لیے علماء کی شمولیت محض ایک انتخاب نہیں بلکہ ایک ضرورت ہے۔ آج کے دور میں جب خودکشی جیسے روح فرسا اور تباہ کن رجحانات میں اضافہ ہو رہا ہے تو یہ مسئلہ محض نفسیاتی یا طبیاتی زاویوں سے نہیں سمجھا جاسکتا؛ بلکہ اسے ایک فکری روحانی اخلاقی اور ایمانی بحران کے تناظر میں دیکھنا لازم ہے اور اس تفہیم کی صلاحیت صرف ان علماء کے پاس ہے جو دین میں فقیہانہ گہرائی اور روحانی بصیرت رکھتے ہیں۔ بدقسمتی سے جدید اسلامی ریاستوں میں علماء کو قانون سازی نصاب سازی میڈیا ضابطہ بندی اور سماجی بہبود کی اسکیموں میں محض مشیرانہ حیثیت تک محدود کر دیا گیا ہے حالانکہ قرآن مجید کی رو سے "يَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ" کے حامل افراد کو رائے سازی کے مرکز میں ہونا چاہیے۔ اگر علماء کو ریاستی پالیسی سازی کے اداروں میں مرکزی حیثیت دی جائے تو وہ ان پالیسیوں میں محض قانونی زبان نہیں بلکہ اخلاقی و روحانی جہت بھی شامل کر سکتے ہیں مثلاً "زندگی کی حرمت" جیسے موضوع کو تعلیمی نصاب میڈیا مہمات اور تربیتی پروگراموں میں مؤثر انداز میں شامل کیا جاسکتا ہے۔ علماء کی شرکت خودکشی جیسے مسائل کے صرف سماجی یا طبّی علاج تک محدود نہ رہے گی بلکہ وہ اس کو حدیثی رہنمائی فقہی تشخیص اور صوفیانہ تجربات کی روشنی میں ایک گہرے فکری و روحانی تناظر میں پیش کر سکیں گے جو نوجوانوں کے ذہن قلب اور کردار تینوں کو ایک ساتھ متاثر کرے گا۔

خودکشی پر دینی بیانیے کو قانون کا حصہ بنانا:

اسلامی ریاست کا تصور صرف ظاہری قوانین و ضوابط پر مشتمل نہیں بلکہ وہ ایک ایسی فکری و روحانی چھتری مہیا کرتا ہے جس کے تحت انفرادی و اجتماعی زندگی میں دینِ اسلام کا نور سرایت کر جاتا ہے۔ اسلامی معاشرت میں جب کوئی سنگین مسئلہ مثلاً خودکشی ظہور پذیر ہوتا ہے تو اس کا تدارک صرف قانون نفسیات یا طبّی تشخیص سے نہیں بلکہ ایک مکمل دینی بیانیے کے ذریعے ممکن ہے۔ ایسا بیانیہ جو صرف سزا یا جرم کی نوعیت پر مشتمل نہ ہو بلکہ روحانی شعور ایمانی استقامت اور اخلاقی احساس کی بنیاد پر فرد کو نہ صرف خودکشی سے روکے بلکہ اسے زندگی کی حرمت صبر توکل اور قناعت کا عملی مفہوم بھی سکھائے۔ دینی بیانیہ جب ریاستی قانون کا حصہ بنتا ہے تو اس سے صرف عدالتی یا آئینی ضوابط ہی نہیں بنتے بلکہ فرد کے دل و دماغ میں ایک ایمانی رکاوٹ پیدا ہوتی ہے جو اسے نہ صرف خودکشی بلکہ اس جیسے کئی مہلک رجحانات سے باز رکھتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک اسلامی حکومت کے لیے ناگزیر ہو جاتا ہے کہ وہ خودکشی جیسے مہلک فعل کے خلاف قرآن و سنت پر مبنی بیانیے کو قانون سازی کے اندر شامل کرے تاکہ عوامی ضمیر بیدار ہو اور معاشرہ حقیقی روحانی اصلاح کی طرف گامزن ہو۔

اسلامی قانون فقط سزا یا جرم کا تعین کرنے والا ایک قانونی ضابطہ نہیں بلکہ ایک ہمہ گیر روحانی و اخلاقی نظام ہے جس کی غایت "امر بالمعروف و نہی عن المنکر" کے قرآنی اصول کے تحت معاشرتی اصلاح انفرادی تطہیر اور اجتماعی فلاح کا حصول ہے۔ اسی اصول کی روشنی میں جب خودکشی جیسے سنگین مسئلے پر دینی بیانیہ ریاستی قانون سازی کا حصہ بنتا ہے تو قانون محض مجرمانہ ردِ عمل نہیں رہتا بلکہ شعورِ زندگی فکرِ آخرت اور احتسابِ نفس کا عملی مظہر بن جاتا ہے۔ پاکستان جیسے اسلامی معاشروں میں جہاں تعزیراتِ پاکستان کی دفعہ 325 خودکشی کو ایک قانونی جرم تو تسلیم

---

[1] ۔ بخاری، الجامع الصحیح، **کتاب العلم**، باب مَنْ يُرِدِ اللَّهُ بِهِ خَيْرًا، رقم 71، ج 1، ص 28۔

کرتی ہے مگر اس کی تعبیر زیادہ تر طبّی یا نفسیاتی بنیادوں پر کی جاتی ہے وہاں اس قانون کو قرآنی آیات جیسے "وَلَا تَقْتُلُوا أَنفُسَكُمْ" اور حدیثی وعیدات کی روشنی میں دینی سیاق سے جوڑنا وقت کی اہم ترین علمی و قانونی ضرورت ہے۔ امام نوویؒ جیسی معتبر فقہی شخصیات جب خودکشی کو گناہِ کبیرہ اور دائمی عذاب کا موجب قرار دیتی ہیں تو ان کی آراء اگر قانون سازی کے متن میں شامل ہوں تو وہ عوام میں محض قانونی خوف نہیں بلکہ ایمانی بیداری اور روحانی احتساب کا باعث بنتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سعودی عرب جیسے ممالک میں فتویٰ کونسلز مفتیانِ کرام اور دینی ادارے نہ صرف شرعی حیثیت سے خودکشی کو حرام قرار دیتے ہیں بلکہ ان کی سفارشات کو قانونی دائرہ کار میں شامل کر کے ریاستی سطح پر نفاذ دیا جاتا ہے۔ اگر پاکستان میں دارالافتاء جامعہ بنوریہ جامعہ اشرفیہ اور دیگر معتبر دینی اداروں کے فتاویٰ کو باقاعدہ پارلیمانی سطح پر سنا جائے اور ان کی روشنی میں قانونی ترمیمات کی جائیں تو ریاست کا قانون عوام کے ضمیر سے ہم آہنگ ہو کر شعوری اطاعت کی بنیاد پر نافذ ہو گا نہ کہ صرف خوفِ تعزیر پر۔ مولانا مفتی تقی عثمانی کے الفاظ میں: "اسلامی ریاست کا فریضہ صرف عدالتی قوانین کی پاسداری نہیں بلکہ شریعت کے اصولوں کی بالادستی ہے اس لیے ریاست کو ہر جرم پر صرف قانونی ہی نہیں دینی مؤقف کے ساتھ قانون سازی کرنا ہو گی تاکہ امت کا شعور بیدار ہو[1]" یہ دراصل وہی علمی منہج ہے جو قانون کو شریعت کے ساتھ ہم آہنگ کر کے ایک نظریاتی اخلاقی اور عملی توازن فراہم کرتا ہے

[1] ۔ محمد تقی عثمانی، **اسلام اور جدید ریاستی نظام**، (کراچی: مکتبہ دارالاشاعت، 2010ء)، ص 143۔

فصل دوم: گلگت میں خاندانی، معاشرتی اور حکومتی ذمہ داریاں:

خاندانی ذمہ داریاں:

والدین کی ذمہ داریاں:

زمین میں رہنے والے کیڑے مکوڑے پیدا ہوتے ہی اپنی خوراک خود مہیا کرنے کے قابل ہوتے ہیں چوپائے چلنے پھرنے اور پرندے اپنے پروں سے پرواز کرنے کے قابل ہو جاتے ہیں لیکن انسانیت کو پیدائش کے بعد زندگی کے امور انجام دینے کے لیے طویل عرصہ کی ضرورت ہوتی ہے اس طویل عرصے میں انسان اپنے آپ کو اپنی مرضی کے مطابق تیار کر سکتا ہے۔ عرصہ کو تعلیم و تربیت سے تعبیر کیا جاتا ہے تعلیم و تربیت ہی انسان کا وہ وصف ہے جس کی بدولت انسان اپنی اولاد کو اپنی آن کے اس پر فتن دور میں ہر کسی کے زبان پر یہ فرو با نظر آتا ہے کہ ملک قوم کی ترقی کا دارو مدار ور نوجوان نسل پر ہے۔ ہمارے بزرگ اور والدین یہ نعرہ لگا کر اور نوجوان نسل کے کندھوں پر ملک و قوم اور خاندان کی ترقی کا بوجھ ڈال کر اپنی ذمہ داری سے منہ نہیں پھیر سکتے۔ اگر ہم نئی نسل سے اس طرح کی امیدیں وابستہ رکھتے ہیں تو پہلے ہمیں جان لینا چاہیے کہ اس نوجوان نسل کو صحیح راستے پر لانا جائز و ناجائز، صحیح اور غلط کا فرق سمجھانا اور ان کی تربیت کرنا والدین پر فرض ہے اللہ تعالی نے والدین کو دنیا و آخرت میں بہت بلند درجات عطا کیے ہیں اگر والدین میں سے ماں ہے تو اس کے قدموں کے تلے جنت ہے، اگر باپ ہے تو جنت کا دروازہ ہے، اللہ کی طرف سے والدین کے درجات و مراتب کا وعدہ ہے تو دوسری طرف والدین ہونے کے ناطے ان پر کچھ ذمہ داریاں اور فرائض بھی عائد ہیں والدین کی گود اولاد کی پہلی درسگاہ ہے جس طرح والدین اولاد کی دنیاوی آرام و آسائش کا خیال رکھتی ہے اسی طرح انہیں اپنی اولاد کی دینی، اخروی، اخلاقی اور عملی تربیت کی فکر کرنی چاہیے والدین اپنے بچوں کے پہلے معلمین ہوتے ہیں اور اپنے بچوں کے لئے رول ماڈل کا کردار ادا کرتے ہیں اولاد کے لیے گھر کا ماحول وہ واحد اور اہم ترین ذریعہ تربیت ہے جو اس کی زندگی پر گہرا اثر مرتب کرتا ہے وہ بچے بہت ہی خوش نصیب ہوتے ہیں جنھیں والدین کی شفقت و محبت سے بھر پور گھریلو ماحول میسر ہوتا ہے والدین کی چھوٹی سی لاپرواہی سے اولاد کی دنیا و آخرت تباہ ہوتی۔[1] اولاد والدین کے پاس اللہ کی امانت ہیں اس امانت کے بارے میں قیامت کے دن والدین سے باز پرس ہوگی قرآن کریم میں اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے

وَاعْلَمُوا أَنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ[2]

اور جان لو کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد ایک امتحان کی جو تا ہے۔

نیک اولاد والدین کے لئے صدقہ جاریہ ہے والدین کی عدم توجہ کے باعث اولاد میں بہترین نعت شخصیت سازی سے محروم رہ جاتے ہیں لہذا والدین اپنی اولاد کی کردار سازی میں اہم کردار ادا کریں اپنی اولاد کی ضروریات کو سمجھیں ان کے مسائل سنیں ان سے گفتگو کریں ان کے مسائل حل کرنے کی کوشش کریں ان کو مشکلات کا حل تلاش کرنے، ذہنی تناؤ کو کم کرنے، تکلیف دہ تجربات سے باہر نکلنے اور معاشی، معاشرتی دباؤ کو کنٹرول کرنے کے گر سکھانے کی کوشش کرنی چاہیے انہیں یہ بات سمجھانے کی کوشش کرنی چاہیے کہ انسان کے حالات بدلتے رہتے ہیں اور ہر مشکل سے باہر نکلنے کے لئے کوئی نہ کوئی دروازہ اور راستہ ضرور ہوتا ہے انسان کے لیے اس دروازے کو ڈھونڈنے کی ضرورت ہوتی ہے والدین کو چاہیے کہ اپنی اولاد کے درمیان محبت میں برابری کریں کسی سے کم اور کسی کو زیادہ محبت دینے سے بچوں کے اندر احساس کمتری اور احساس محرومی

---

[1]۔ مولانا محمد یوسف لدھیانوی، **تربیت اولاد**، ادارہ علوم اثریہ فیصل آباد ،اپریل 2012ء،

[2]۔ الانفال: 28

جیسی بیماریاں جنم لیتی ہے جس کو زیادہ محبت ملتی ہے ان کے اندر احساس برتری اور تکبر پیدا ہوتا ہے والدین کا اپنی اولاد کے ساتھ یہ غیر منصفانہ سلوک بہین بھائیوں کے آپس میں حسد پیدا کر کے ان کو ایک دوسرے کا دشمن بنا دیتی ہے اگر والدین اپنی اولاد کو اپنی زندگی میں کامیاب دیکھنا چاہتے ہیں تو وہ اپنے بچوں کو اپنے گھروں کے اندر بہترین ماحول کی شکل میں دے سکتے ہیں بچوں کی اخلاقی تربیت کے لیے کسی مادی اشیاء کی ضرورت نہیں بلکہ والدین اپنے طور طریقوں، عادات واعمال اور طرز گفتگو سے بچوں کے اذہان اور دلوں پر زیادہ بہتر اثرات مرتب کر سکتے ہیں اپنی اولاد کو حقوق کی ادائیگی یعنی حقوق اللہ، حقوق العباد اور حقوق النفس کی تعلیم و تربیت کا اہتمام کرنا چاہیے والدین صرف نیک اولاد کی تمنا کرنے سے اولاد نیک نہیں بن سکتے بلکہ والدین انہیں نیک بنانے کی کوشش کریں منفی رجحانات سے مقابلہ کرنے کے لیے اولاد کی ذہنی تربیت کرنی چاہیے اور اپنی اولاد کو زندگی کے نشیب و فراز، سرد و گرم اور تلخ و ترش حالات کو برداشت کرنے اور مشکلات و مسائل اور شاہر او زندگی کی صعوبتوں کا ڈٹ کر مقابلہ کرنے اور انہیں حل کرنے کا ہنر سکھانا چاہیے دور حاضر کے والدین کے لیے نئی نسل کو اسلامی تعلیمات سے بہرہ ور کرنا بہت ضروری ہے اللہ سے سب کچھ ہونے کا یقین ان کے دلوں میں پیدا کرنا اور اللہ تعالی سے محبت و یقین کی کیفیت کو ان کے اندر پروان چڑھانا اہم ذمہ داری ہے۔[1]

اللہ تعالی نے والدین پر اولاد کی نعمت کا شکر ادا کرتے ہوئے ان کی تربیت کا فرض عائد کیا ہے، تاکہ دنیا اور آخرت دونوں میں ان کی اصلاح ہو، قرآن کریم کے نقطہ نظر سے اولاد دنیا کی زینت ہیں، اولاد اللہ کی ایک عظیم نعمت ہے، جس پر شکر ادا کرنا واجب ہے، جیسا کہ فرمایا:

" وَجَعَلْتُ لَهُ مَالًا مَّمْدُودًا وَبَنِينَ شُهُودًا وَمَهَّدْتُ لَهُ تَمْهِيدًا"[2]

اور میں نے اسے خوب مال دیا اور حاضر رہنے والے بیٹے عطا کیے، اور میں نے اسے بہت کچھ کشادگی دے رکھی ہے۔

لیکن اسی کے ساتھ اولاد والدین کے لیے ایک بڑی ذمہ داری بھی ہے، خصوصاً ان کی اصلاح و تربیت کے حوالے سے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

"كُلُّكُمْ رَاعٍ مَسْئُولٌ، فَالْإِمَامُ رَاعٍ وَهُوَ مَسْئُولٌ، وَالرَّجُلُ رَاعٍ عَلَى أَهْلِهِ وَهُوَ مَسْئُولٌ، وَالْمَرْأَةُ لى بَيْتِ زَوْجِهَا وَهِيَ مَسْئُولَةٌ، وَالْعَبْدُ رَاعٍ عَلَى مَالِ سَيِّدِهِ وَهُوَ مَسْئُولٌ، أَلَافَكَلَكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ [3]

گلگت میں خودکشی کے مسئلے کے حوالے سے والدین کی ذمہ داریاں نہایت اہم ہیں، کیونکہ گھر ہی وہ پہلی جگہ ہے جہاں بچے کی شخصیت، سوچ اور رویے پروان چڑھتے ہیں۔ والدین کی ذمہ داریاں درج ذیل ہیں:

1۔ تربیت کے ذریعے والدین اولاد کی نگہداشت اور تعلیم و تربیت کی ذمہ داری پوری کرتے ہیں، جیسا کہ نبی اکرم اور ان کے صحابہ نے کیا۔ اولاد کی تربیت والدین کے فرائض میں شامل ہے، اور اس میں کسی قسم کی کوتاہی یا غفلت کی اجازت نہیں۔ اللہ تعالی نے عبادات اور فرائض کے ساتھ اولاد کی تربیت کو بھی لازم قرار دیا ہے۔

2. تربیت کا مقصد بچوں کو دنیا و آخرت میں فائدہ پہنچانا، ان کے کردار کو بہتر بنانا، اور ان کی فطرت کو محفوظ رکھنا ہے۔ یہ انہیں اچھے اخلاق کا عادی بناتی ہے اور بری عادتوں سے دور رکھتی ہے۔

---

[1]۔ مولانا محمد یوسف لدھیانوی، تربیت اولاد، اپریل 2012ء

[2]۔ المدثر:14-16

[3]۔ صحیح بخاری، الجامع الصحیح، کتاب النکاح، جلد:1، حدیث:5188

3۔اچھی تربیت بچوں میں تقویٰ پیدا کرتی ہے اور انہیں اللہ کے سامنے جوابدہی کا احساس دلاتی ہے۔ یہ انہیں زندگی کی مشکلات اور فتنوں کا سامنا کرنے کے لیے مضبوط بناتی ہے اور انہیں معاشرے و امت کی خدمت کے قابل بناتی ہے۔

4۔ تربیت بچوں کو اعتدال پر قائم رکھتی ہے اور اسلام کے خلاف منفی نظریات سے محفوظ رکھتی ہے۔ یہ انہیں اعلیٰ اقدار جیسے ایثار اور صبر کا عادی بناتی ہے۔

5۔ آج کے بچے کل کی امت کے معمار ہیں، ان کی اچھی تربیت قوم کی عزت، ترقی، اور بلندی کا سبب بنتی ہے۔ تربیت کے ذریعے والدین اپنی نسل کو ایک روشن اور کامیاب مستقبل کے لیے تیار کرتے ہیں۔[1]

گلگت میں خودکشی کے حوالے سے والدین کی ذمہ داریاں:

1۔ محبت اور توجہ دینا:

- بچوں کو وقت دینا، ان سے بات چیت کرنا اور ان کے جذبات کو سمجھنا۔
- بچوں کو یہ احساس دلانا کہ وہ اکیلے نہیں ہیں اور ہر مشکل میں والدین ان کے ساتھ ہیں۔[2]

2۔ کھلا اور مثبت رابطہ (Open Communication):

- بچوں سے دوستانہ انداز میں گفتگو کرنا تاکہ وہ اپنے مسائل بغیر جھجک والدین سے شیئر کر سکیں۔
- سختی یا تنقید کے بجائے سننے، سمجھنے اور مشورہ دینے والا رویہ اپنانا۔

3. ذہنی دباؤ کی علامات کو پہچاننا:

- بچوں کے رویے، نیند، بھوک یا دلچسپیوں میں اچانک تبدیلی کو سنجیدگی سے لینا۔
- اگر بچہ تنہائی پسند ہو جائے، زیادہ اداس یا چڑچڑا رہے تو فوری توجہ دینا۔[3]

4. سپورٹ فراہم کرنا:

- تعلیمی دباؤ، سماجی مسائل، یا ذاتی مشکلات میں بچے کا حوصلہ بڑھانا۔
- ناکامی یا تنقید کی صورت میں بچے کی عزتِ نفس کو مجروح نہ ہونے دینا۔

5۔ ماہرانہ مدد لینا:

- اگر بچے میں خودکشی کا رجحان یا ذہنی دباؤ نظر آئے تو فوراً ماہر نفسیات یا مشیر سے رجوع کرنا۔
- ذہنی صحت کو جسمانی صحت کی طرح اہم سمجھنا۔[4]

---

[1]۔ عبدالرزاق البدر، **بچوں کی تربیت کے بنیادی اصول**، کتاب و سنت محدث لائبریری، صفحہ: 5

[2]۔ ایضاً

[3]۔ عبدالرزاق البدر، **بچوں کی تربیت کے بنیادی اصول**، کتاب و سنت محدث لائبریری، صفحہ: 33

[4]۔ عبدالرزاق البدر، **بچوں کی تربیت کے بنیادی اصول**، صفحہ: 33

6۔مثبت خاندانی ماحول فراہم کرنا:

- گھر میں جھگڑے، گالم گلوچ، یا غیر ضروری دباؤ سے گریز کرنا۔
- گھر میں محبت، تعاون، صبر اور برداشت کا ماحول قائم رکھنا۔[1]

7.مذہبی واخلاقی تربیت:

- بچوں کو دینی تعلیم، صبر ،شکر اور تقدیر پر ایمان جیسے اصول سکھانا۔
- دعا، نماز، اور اللہ سے تعلق مضبوط بنانے کی ترغیب دینا۔[2]

8.سوشل میڈیا اور دوستوں پر نظر رکھنا:

- بچوں کی آن لائن سرگرمیوں پر مناسب نظر رکھنا۔
- ان کے دوستوں، سوشل سرکل، اور مشغولیات سے واقف رہنا۔

اگر والدین اپنی ان ذمہ داریوں کو خلوص، توجہ اور حکمت سے ادا کریں تو بہت سے ذہنی دباؤ، احساسِ کمتری، اور خودکشی جیسے رجحانات کو روکا جا سکتا ہے۔[3]

علمائے کرام کی ذمہ داریاں:

علمائے کرام قرآنِ کریم کے بعد دینِ اسلام کے بنیادی مبلغ ہیں۔ یہی لوگ ہمارے دینی اور اخلاقی معاملات کی بہترین مثال پیش کرتے ہیں۔ آقائے دوجہاں ﷺ کی تعلیمات کے بعد نہ کوئی نبی آیا ہے اور نہ ہی آئے گا۔ دین کی تبلیغ و ترویج کا یہ عظیم کام اللہ تعالیٰ نے امتِ مسلمہ کے سپرد کیا ہے۔ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر شخص پر اتنی ہی ذمہ داری عائد کی ہے جتنی اس کو عطا کی ہوئی نعمتوں کے اعتبار سے ہے۔

كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللهِ[4]

تم سب امتوں میں سے بہتر ہو جو لوگوں کے لیے بھیجی گئی ہیں اچھے کاموں کا حکم کرتے رہو اور برے کاموں سے روکتے رہو اور اللہ پر ایمان لاتے ہو۔

اساتذہ کرام کی ذمہ داریاں:

گلگت میں خودکشی کے مسئلے کو کم کرنے کے لیے اساتذہ کرام کا کردار والدین کے بعد سب سے زیادہ اہم ہے، کیونکہ اسکول اور کالج وہ جگہ ہے جہاں نوجوان زیادہ وقت گزارتے ہیں اور اپنی شخصیت کو تشکیل دیتے ہیں۔

درس وتدریس ایک مقدس پیشہ ہے یہ پیشہ جتنا مقدس ہے اتنا ہی حساس اور انتہائی ذمہ داری کا متقاضی ہے اساتذہ طلباء کے لئے نمونہ اور رول ماڈل ہوتے ہیں طلباء پر تعلیم سے زیادہ استاد کی گفتگو اور کردار وعادات کا اثر ہوتا ہے معاشرے کے لئے استاد ایک داعی اور مبلغ کی حیثیت رکھتا

---

[1]۔عبدالرزاق البدر، **بچوں کی تربیت کے بنیادی اصول**، صفحہ :33

[2]۔ایضاً

[3]۔ایضاً

[4]۔آل عمران:110

ہے روحانی اور اخلاقی اقدار کی تبلیغ میں اساتذہ سے زیادہ اساتذہ سے بڑھ کر کوئی کردار ادا نہیں کر سکتا-اساتذہ کرام پر طلباء کی تعلیم و تربیت کی بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ وہ بچوں کی نظریاتی سرحدوں کے محافظ ہوتے ہیں دور حاضر میں اساتذہ کرام کو چاہیے کہ نصاب کے مطابق صرف امتحانی نقطہ نظر کو سامنے رکھ کر بچوں کو تیار نہ کریں بلکہ طلبہ کے اندر ایمان و تقویٰ، خدمت انسانیت اور تحقیق و تخلیق جیسی صفات پیدا کرنا اساتذہ کرام کی ذمہ داری ہے بچوں میں نفرت پھیلانے میں بعض اوقات والدین اور تنگ نظر اساتذہ کا خاص کردار ہوتا ہے بچے کی تعمیر شخصیت میں اساتذہ کرام اہم کردار ادا کرتے ہیں بچوں کو صحیح تعلیم اور ان کی اچھی تربیت اسکول کے اندر نہ ہونے کی وجہ سے ان کے اندر شدت پسندی پیدا ہوتی ہے زیادہ تر بچہ برداشت کا کلچر اساتذہ سے حاصل کرتا ہے تو اساتذہ کرام کو بچوں کی تربیت پر خصوصی توجہ دینی چاہیے۔[1]

حکومتی ذمہ داریاں:

انسانی معاشرے میں خودکشی کی لعنت بڑی تیزی سے بڑھتی جارہی ہے معاشرے کے اس بگڑی ہوئی حالت کو سدھارنے کے لیے ہر مکتبہ فکر کو اپنا کردار ادا کرنا چاہیے اس معاملے میں ایک بااختیار شخص کی ذمہ داری ایک بے اختیار شخص کی ذمہ داری سے زیادہ ہوتی ہیں صاحب اقتدار کی ذمہ داری ان لوگوں سے زیادہ ہوتی ہے جس کے پاس اقتدار نہیں اسلامی ریاست کے حکومت کی ذمہ داری ہیں کہ وہ لوگوں کو پر سکون معاشرہ فراہم کرے ایک اسلامی ریاست اپنے ان ہی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کی وجہ سے معاشرہ خود بخود پر سکون ہوتا ہے اسلامی ریاست کا حکمران بادشاہ نہیں بلکہ قوم کا خادم ہوتا ہے اسلام میں اقتدار عیش و عشرت کا ذریعہ نہیں بلکہ ایک مشکل ذمہ داری ہوتی ہے جس کے لیے حکمران اپنے آپ کو عوام سے پہلے اللہ تعالی کے سامنے جوابدہ سمجھتے ہیں اور اپنی ذمہ داریوں میں سب سے زیادہ قوم کے دین و ایمان جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کو اہمیت دیتے ہیں اور اپنے عوام کے ساتھ انصاف کا معاملہ کرتے ہیں۔

کیونکہ قرآن حکیم میں اللہ تعالی کا فرمان ہے:

اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى[2]

انصاف کرو یہ تقوی کے زیادہ قریب ہے

اسلام حکمرانوں کو اپنے عوام کے ساتھ انصاف کرنے کا علم دیتا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ اور خلفائے راشدین کی زندگیوں سے بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے آقائے دوجہاں کا ارشاد گرامی ہے:

الرَّاحِمُونَ يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمَنُ، ارْحَمُوا مَنْ فِي الْأَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ[3]

رحم کرنے والوں پر رحمن رحم کرتا ہے، تم لوگ زمین والوں پر رحم کرو تم پر آسمان والا رحم کرے گا۔

ایک اور مقام پر اللہ تعالی کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

ما من عبدٍ يسترعيه اللهُ رعيةً، يموت يومَ يموتُ، وهو غاشٌّ لرعيَّته، إلا حرَّم اللهُ عليه الجنةَ [4]

ترجمہ: جس بندہ کو اللہ کسی رعیت کا نگران بنائے اور وہ اس کی خیر خواہی پوری نہ کریں تو وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں پائے گا۔

---

[1] ۔ڈاکٹر عبدالرزاق ملیح آبادی، **معلم کا کردار**، کتاب وسنت محدث لائبریری، صفحہ: 42

[2] ۔المائدہ: 120

[3] ۔سنن الترمذی، **کتاب البر والصلات**، حدیث: 1924

[4] ۔صحیح بخاری، الجامع الصحیح، **کتاب الاحکام**، حدیث: 6731

معاشرے کی اس بگڑی ہوئی حالت کو سرہارنے کے لیے حکومت اہم کردار ادا کرسکتی ہے کیوں کہ حکمران صاحب اختیار ہوتے ہیں اور معاشرے سے خودکشی جیسی المناک حادثات کی روک تھام کے لیے حکومت کو اپنی عوام کے درمیان برابری، منصفانہ انسانی حقوق اور جنسی تفریق سے بالاتر ہو کر مربوط لائحہ عمل نافذ کرنے کی ضرورت ہے مہنگائی اور بے روزگاری سے عوام کو نجات دلانے کی ضرورت ہے اور ملک کی تعلیمی نصاب میں فنی مہارتوں پر مبنی تعلیم کو شامل کرنے کی ضرورت ہے تاکہ بچے کالجز اور یونیورسٹیز سے فارغ ہو کر بے روزگار نہ رہیں اور والدین اور معاشرے پر بوجھ نہ بنیں۔[1]

خودکشی کی روک تھام کے لیے حکومت کی ذمہ داریاں:

گلگت میں خودکشی کے بڑھتے ہوئے واقعات یا سماجی مسائل کے تناظر میں حکومتی ذمہ داریاں درج ذیل ہیں:

1۔ قومی پالیسی سازی(National Policy Formation):

- خودکشی کی روک تھام کے لیے ایک قومی پالیسی اور ایکشن پلان تیار کرنا۔
- ذہنی صحت، تعلیم، عدلیہ اور سماجی بہبود کے اداروں کو شامل کرنا۔[2]

2۔ ذہنی صحت کی سہولیات کی فراہمی:

- ہر شہر اور ضلع میں ذہنی صحت کے مراکز قائم کرنا۔
- سرکاری اسپتالوں میں ماہرِ نفسیات(Psychologist)اور ماہرِ امراضِ دماغی(Psychiatrist)کی تعیناتی۔
- ذہنی دباؤ، ڈپریشن، اور دیگر نفسیاتی بیماریوں کے لیے مفت یا کم لاگت علاج کی سہولت۔[3]

3۔ تعلیمی اداروں میں معاونت:

- اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں کاؤنسلنگ سینٹرز قائم کرنا۔
- نصاب میں زندگی گزارنے کی مہارتیں(Life Skills)اور ذہنی صحت کی تعلیم شامل کرنا۔[4]

4۔ آگاہی مہمات(Public Awareness Campaigns):

- میڈیا، سوشل میڈیا، اور کمیونٹی سطح پر ذہنی صحت اور خودکشی کی روک تھام سے متعلق آگاہی پھیلانا۔
- خودکشی کو جرم یا شرمندگی کے بجائے ایک قابلِ علاج مسئلہ سمجھنے کی ترغیب دینا۔[5]

---

[1] ۔ڈاکٹر عبدالستار صدیقی، **اسلام اور ذہنی صحت**، صفحہ: 145

[2] ۔ایضاً

[3] ۔ایضاً

[4] ۔مولانا طارق محمود، **ذہنی امراض اور ان کا اسلامی علاج**، صفحہ: 203

[5] ۔ایضاً

5۔ہنگامی ہیلپ لائنزاور رسپانس سسٹم:

- ہیلپ لائنز قائم کرنا تاکہ ذہنی دباؤ کے شکار افراد فوری مدد حاصل کر سکیں۔
- ایمرجنسی ٹیمیں جو فوری طور پر خطرے میں مبتلا افراد تک پہنچ سکیں۔[1]

6۔ریسرچ اور ڈیٹا کلیکشن:

- خودکشی کے واقعات کا باقاعدہ ڈیٹا جمع کرنا، اسباب و محرکات کا تجزیہ کرنا۔
- تحقیقی اداروں اور جامعات کو تحقیق کی ترغیب اور فنڈز فراہم کرنا۔[2]

7۔میڈیا ریگولیشن:

- میڈیا اداروں کے لیے ضابطہ اخلاق تیار کرنا تاکہ وہ خودکشی کی خبروں کو سنجیدگی اور احتیاط سے پیش کریں۔
- سنسنی خیز رپورٹنگ یا خودکشی کو "رومانوی"[3] انداز میں پیش کرنے سے روکنا۔[4]

8۔کمیونٹی اور مذہبی رہنماؤں کے ساتھ اشتراک:

- علماء، اساتذہ، اور کمیونٹی لیڈرز کو شامل کرکے روحانی و اخلاقی تربیت کو فروغ دینا۔
- کمیونٹی لیول پر سپورٹ سسٹم بنانا۔[5]

9۔خطرے سے دوچار گروہوں کی خاص مدد:

- نوجوانوں، طلبہ، کسانوں، خواتین، اقلیتوں اور بے روزگار افراد کے لیے خصوصی پروگرامز۔
- ان کے مسائل کے حل کے لیے روزگار، تعلیم، اور قانونی مدد کی فراہمی۔[6]

10۔غیر سرکاری تنظیموں (NGOs) سے تعاون:

- خودکشی کی روک تھام پر کام کرنے والی NGOs کے ساتھ شراکت داری۔
- ان کے پروگرامز کو سرکاری سطح پر سپورٹ اور فنڈنگ دینا۔[7]

معاشرتی ذمہ داریاں:

گلگت میں بسنے والے افراد ہوں یا پھر عالم انسانیت ہو خودکشی کا ارتکاب کرنے والا شخص اکیلا ہی اس عمل کا ذمہ دار نہیں بلکہ اسے اس عمل پر اکسانے والے حالات عوامل اور لوگ بھی ذمہ دار ہیں۔ خودکشی کی روک تھام کے لیے معاشرے کے تمام افراد کی ذمہ داری ہے کہ بحیثیت

---

[1]۔ مولانا طارق محمود، **ذہنی امراض اور ان کا اسلامی علاج**، صفحہ: 203

[2]۔ پروفیسر خورشید احمد، **اسلامی ریاست اور فلاحی نظام**، صفحہ: 89

[3]۔ **"رومانوی انداز"**(Romantic Style or Tone) سے مراد وہ انداز ہوتا ہے جس میں جذبات، تخیل، حسن، عشق، محبت، یا خوابوں کو خوبصورتی اور شدت کے ساتھ بیان کیا جائے۔ یہ انداز ادب، فلم، شاعری، یا میڈیا میں استعمال ہوتا ہے تاکہ سامع یا قاری کے جذبات کو متاثر کیا جا سکے۔

[4]۔ ڈاکٹر خالد سلیم، **نوجوان اور نفسیاتی مسائل**، صفحہ: 112

[5]۔ ڈاکٹر طاہر محمود، **اسلامی معاشرہ اور نفسیاتی مسائل**، صفحہ: 221

[6]۔ ڈاکٹر خالد سلیم، **نوجوان اور نفسیاتی مسائل**، صفحہ: 110

[7]۔ ایضاً

انسان اور مسلمان اپنے تمام متعلقین عزیز و اقارب سے اپنی استطاعت کے مطابق ان کی الجھنیں اور پریشانیاں دور کرنے کی کوشش کریں والدین، خاندان اور دوست اپنی ذمہ داری نبھاتے ہوئے حقوق کی ادائیگی کریں تکلیف و پریشانی میں مبتلا لوگوں کو اس جرم عظیم سے بچنے کا ذریعہ بن جائیں معاشرہ میں لوگوں کی تربیت کی جائے کہ وہ تنگ دستوں اور معاشرے کے مالدار لوگوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے معاشرے میں یتیموں غریبوں محتاجوں اور بیواؤں کی غربت اور مسائل کی طرف دیکھیں انہیں معاشرے میں بہت سے ایسے بچے ملیں گے جو اپنی غربت کی وجہ سے تعلیم سے محروم محتاج بیمار ایسے ملیں گے جو دوا کے لئے ترستے ہیں اپنا علاج نہیں کر سکتے کتنے مکین ایسے ملیں گے جو خالی پیٹ رات گزارنے پر مجبور ہیں صدقہ جاریہ کے طور پر ان کی کفالت کا انتظام کریں کیونکہ اللہ تعالی نے مالداروں کے مال میں غریبوں کا حق رکھا ہے اس بارے میں قیامت کے دن مالداروں سے باز پرس ہوگی گھر اور خاندان میں محبت کی فضا قائم کریں باہر سے آئے ہوئے بیٹیوں یعنی بہو کو محبت کا تحفہ دیں رسم و رواج کی زنجیروں نے معاشرے کو زخمی کیا ہے ان زنجیروں کو کاٹ کر اسلام کے لائے ہوئے پیغامات کو دل و جان سے تسلیم کریں شادی بیاہ کے مرحلوں میں آنکھیں بند کرکے جن رسوم و رواج کو ترجیح دے کر اپنے لئے جینا مشکل کر دیا ہے اسلام کے دائمی زندگی عطا کرنے والی احکامات پر عمل کرکے ان مرحلوں میں آسانی کرنے کی کوشش کریں چنانچہ ایسے مسائل سے دوچار افراد میں مسائل و مشکلات سے نبرد آزما ہونے اور ان کے اندر جینے کا حوصلہ پیدا کریں۔[1]

معاشرے میں رہنے والے تمام لوگوں یعنی حکمران سے لے کر ایک عام آدمی تک مختلف پیشوں سے تعلق رکھنے والے افراد سے لے کر این جی اوز تک انسانیت کے ناطے ایک اپیل کی جاتی ہے کہ ہم اپنے آپ سے ایک سوال ضرور پوچھیں کہ کہیں بھی کوئی اپنی زندگی سے تنگ آکر خودکشی کرتا ہے تو اس جرم میں ہمارا کتنا حصہ ہے والدین، بہن، بھائیوں، اساتذہ، ہمسایہ، علاقہ کے لیڈرز، مذہبی لیڈرز، گورنمنٹ کے عہدیداران، اور دوست واحباب وغیرہ کوئی بھی خودکشی کے عمل کے دوران یاد نہ آنا اس بات کا ثبوت ہے کہ خودکشی کرنے والا اپنی زندگی سے نہیں بلکہ معاشرہ کے لوگوں سے تنگ آکر خودکشی کی ہے اس لیے ایک باضمیر انسان ہونے کی حیثیت سے ہمیں تھوڑی دیر کے لئے تنہا بیٹھ کر یہ سوچنا چاہیے کہ ہم جو کھانا کھاتے ہیں اس کے ہر نوالے میں کسی دوسرے کا حق تو شامل نہیں یا کسی سے بالواسطہ یا بلاواسطہ ہماری دشمنی پانا ناانصافی تو نہیں ہو رہی یا ہم سے کسی کی دل آزاری تو نہیں ہوتی تاکہ ہم اپنے معاشرے میں انصاف کا بول بالا کر سکے اور ہر طرح کے مشرکانہ اور بزدلانہ کاموں سے ہمارا معاشرہ پاک ہو سکے اور ہمیں اپنے لخت جگروں کے اس بے دردانہ اور بزدلانہ رویوں سے نجات مل سکے اور اپنی کمزوری کی وجہ سے اپنے اولاد کے غموں کو دوبارہ سہنا نہ پڑے۔[2]

ادارہ صحت کی ذمہ داریاں:

گلگت کے اندر موجود ہر ادارہ صحت کی زمہ داری ہے کہ وہ ذہنی امراض کے شکار افراد کے بنیادی انسانی حقوق کا تحفظ کریں۔ ڈاکٹر حضرات کی ذمہ داری ہے کہ جب ڈپریشن میں مبتلا ذہنی مریض ان کے پاس آجائیں تو وہ اس کو اپنی ذمہ داری سمجھ کر انہیں درست تعلیم و تربیت کی طرف رہنمائی ان کی الجھنیں دور کرنے کے لئے مفید مشورہ دیکر زندگی بہتر بنانے کے طریقے، شخصیت کو بہتر بنانے کے طریقے، اور کامیاب زندگی

---

[1] ۔ڈاکٹر محمد شفیق، اسلام اور سماجی زندگی، صفحہ: 129

[2] ۔ایضاً

گزارنے کے طریقے بتائیں ان کے ساتھ نرم لہجہ استعمال کرے ان کے مرض کو نظر انداز نہ کریں کیونکہ یہی ڈاکٹر حضرات ہی قوم کے مسیحا ہیں کیونکہ بعض دفعہ اگر کوئی مریض اپنے مرض کی شکایت لے کر ڈاکٹر کے پاس جاتا ہے تو ڈاکٹر اس کو ناٹ مینشن کہہ کے اس کی طرف توجہ نہیں دیتے اور اس کی حوصلہ افزائی نہیں کرتے اس وجہ سے ایسے مریض اپنا علاج کروانے کو بھی اپنے ساتھ توہین سمجھتے ہیں رفتہ رفتہ ان کی یہ بیماری ان کے لیے جان لیوا ثابت ہو سکتی۔[1]

گلگت میں خودکشی کے حوالے سے ادارہ صحت (Health Department) کی درج ذیل اہم ذمہ داریاں ہیں:

1.آگاہی اور تعلیم (Awareness and Education):

- عوام میں ذہنی صحت اور خودکشی کی وجوہات کے بارے میں آگاہی مہم چلانا۔
- اسکولوں، کالجوں، یونیورسٹیوں اور کمیونٹی سینٹرز میں تربیتی پروگرامز کا انعقاد۔
- میڈیا کے ذریعے معاشرتی شعور اجاگر کرنا کہ ذہنی دباؤ اور پریشانی قابل علاج ہیں۔[2]

2.نفسیاتی و ذہنی صحت کی سہولیات فراہم کرنا:

- ہر ضلعی اسپتال میں ماہرِ نفسیات (Psychologist) اور ماہرِ امراضِ دماغی (Psychiatrist) کی تعیناتی۔
- خودکشی کے رجحان رکھنے والے افراد کے لیے مفت یا سستی ذہنی صحت کی خدمات۔
- کاؤنسلنگ سینٹرز اور ہیلپ لائنز کا قیام، جہاں افراد فوری مدد حاصل کر سکیں۔[3]

3.خودکشی کی روک تھام کے لیے پالیسی سازی:

- حکومت کے ساتھ مل کر خودکشی کی روک تھام کے لیے قومی یا صوبائی سطح کی پالیسیز بنانا۔
- اسکولوں اور کام کی جگہوں پر ذہنی صحت کی سکریننگ کے عمل کو لازمی بنانا۔

4.اعداد و شمار کا ریکارڈ اور تجزیہ (Data Collection & Analysis):

- خودکشی کے کیسز کا درست ریکارڈ رکھنا اور وجوہات کا تجزیہ کرنا۔
- تحقیق و مطالعہ کے ذریعے مسئلے کی جڑ تک پہنچنا اور بہتر حل تجویز کرنا۔

5.ہنگامی خدمات (Emergency Services):

- خودکشی کی کوشش کرنے والے افراد کو فوری طبّی امداد فراہم کرنے کے لیے ایمبولینس، ایمرجنسی کیئر، اور نفسیاتی مدد کی سہولت۔[4]

---

[1]۔ڈاکٹر خالد سلیم، **نوجوان اور نفسیاتی مسائل**، صفحہ: 205

[2]۔ایضاً

[3]۔ڈاکٹر طاہر محمود، **اسلامی معاشرہ اور نفسیاتی مسائل**، صفحہ: 221

[4]۔ڈاکٹر محمد شفیق، **اسلام اور سماجی زندگی**، صفحہ: 129

6. متاثرہ خاندانوں کی مدد:

- خودکشی کے بعد متاثرہ خاندانوں کو ذہنی، سماجی اور مالی معاونت فراہم کرنا۔[1]

7. اداروں کے ساتھ تعاون:

- محکمہ تعلیم، پولیس، مذہبی اداروں، اور غیر سرکاری تنظیموں (NGOs) کے ساتھ مل کر مربوط اقدامات اٹھانا۔[2]

[1]۔ پروفیسر عبدالحفیظ، **اسلام کا فلاحی نظام**، صفحہ: 74

[2]۔ ایضاً

خلاصہ

اسلامی معاشرے میں خودکشی جیسے سنگین اور نازک مسئلے کا سدباب محض نفسیاتی یا سماجی تناظر میں ممکن نہیں جب تک اس کا مقابلہ ایک مکمل دینی و روحانی نظام کے تحت نہ کیا جائے۔ زیر بحث فصل میں ہم نے اس امر کا تفصیلی جائزہ لیا کہ اسلامی معاشرہ خودکشی جیسے قبیح فعل کے خلاف کس طرح ایک مربوط فعال اور ہم آہنگ کردار ادا کر سکتا ہے خصوصاً جب اس میں اسلامی ادارے علما میڈیا اور حکومت مشترکہ حکمت عملی کے تحت کردار ادا کریں۔ اس فصل میں ہم نے سب سے پہلے اسلامی اداروں جیسے مساجد مدارس اور دعوتی مراکز کے کردار کو اجاگر کیا۔ ان اداروں کا دینی فریضہ محض عبادات کی تلقین یا دینی تعلیم کی تدریس تک محدود نہیں بلکہ معاشرے کی فکری روحانی اور اخلاقی تربیت ہے۔ جمعہ کے خطبات کو اگر سماجی اصلاح ذہنی بیماریوں اور خودکشی کے موضوعات سے مربوط کیا جائے تو یہ معاشرتی شعور میں نمایاں تبدیلی پیدا کر سکتے ہیں۔ اسی طرح مدارس کو صرف نصابِ درس کے مراکز کے بجائے ذہنی و جذباتی تربیت کے فعال مراکز بنایا جائے جہاں طلباء کو زندگی سے محبت قناعت توکل صبر اور ایمان کے استحکام کے اسباق دیے جائیں۔ علما کرام کا کردار اس فصل کا ایک اہم ترین پہلو تھا۔ علما محض علم و فتویٰ کے نمائندے نہیں بلکہ روحانی معالج سماجی رہنما اور دینی شعور کے محافظ بھی ہیں۔ اگر وہ نوجوانوں کے ساتھ مشفقانہ تعلق سماجی شعور کی بیداری اور آن لائن دروس کے ذریعے دلوں کو جوڑنے والا کردار ادا کریں تو خودکشی جیسے ذہنی و روحانی خلاء کے مسئلے کا بڑی حد تک سدباب ممکن ہے۔ اس ضمن میں ہم نے فتویٰ اور مشاورتی مراکز کے قیام کی اہمیت پر بھی زور دیا تاکہ دین و شریعت کی روشنی میں فوری رہنمائی فراہم کی جا سکے۔

کائناتی اقدار کے حامل دین اسلام کو روز محشر تک زندہ رکھنا اور بدلتے حالات کے تقاضوں کے مطابق معاملات اور مسائل کو واضح کرنا بھی علمائے کرام کی ذمہ داری ہے لوگوں کے سامنے دین کے حقائق کو واضح کرنا اور ان کو اس طرح لوگوں کو سکھانا جیسا کہ اللہ تعالی نے نازل کیا ہے اور نبی کریم نے اس کی دعوت دی ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنھم اجمعین نے اس کو سمجھایا ہے یعنی بدعت اور تحریفات سے پہلے کا دین لوگوں کے سامنے پیش کرنا اور انہیں اس کی تعلیم دینا یہ مشکل کام بھی علمائے کرام پر عائد ہے۔

علماء کرام ملک و قوم کو خودکشی جیسی لعنت اور حرام کام سے بچانے کے لیے اہم کردار ادا کر سکتے ہیں وہ اپنی ممبر و محراب، مساجد اور معاشرے کے ہر اجتماعی محافل میں لوگوں کی روحانی علاج معالجے کے لیے ٹھوس اقدامات کریں لوگوں تک ینی احکامات پہنچانے میں کوئی کسر نہ چھوڑیں لوگوں میں خوف خدا پیدا کرنے کی کوشش کریں کیونکہ معاشرے کو خودکشی بلکہ تمام ناجائز اور حرام کاموں سے بچانے کا یہی بہترین ذریعہ ہے جس سے ہر طرح کی برائیوں کا خاتمہ کیا جا سکتا ہے اور ہر طرح کی بری عادتوں کو چھڑایا جا سکتا ہے کیونکہ جب انسان کے اندر اللہ تعالی کا خوف اور ڈر ہوتا ہے تو خود بخود ان کو برائیوں سے نفرت ہونے لگتی ہے اور وہ گناہوں سے باز آجاتا ہے خودکشی کرنے پر جو وعید اور سزائیں قرآن وحدیث میں آئی ہیں ان سے لوگوں کو واقف کرانا دعا و مناجات کی اہمیت اور اللہ تعالی کی ذات سے مانگنے کے طریقے لوگوں کو سکھانا صبر کی اہمیت اور شکر کی افادیت سے لوگوں کو آشنا کرانا۔

نتائج

خودکشی کے نتائج (Consequences of Suicide) نہ صرف فرد کی زندگی پر، بلکہ اس کے خاندان، معاشرے اور آخرت پر بھی گہرے اثرات ڈالتے ہیں۔ خودکشی کے اہم نتائج اسلامی، معاشرتی، نفسیاتی اور قانونی پہلوؤں میں درج ذیل ہیں:

1. اسلام میں خودکشی حرام اور کبیرہ گناہ ہے۔ خودکشی کرنے والا اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور ہو سکتا ہے۔
2. خودکشی کرنے والے افراد خواہ وہ گلگت سے ہوں یا پھر دنیا میں بسنے والا کوئی بھی شخص ہو اس کے اہل خانہ شدید دکھ، شرمندگی اور معاشرتی دباؤ کا شکار ہوتے ہیں۔ یہ عمل دوسروں کے لیے بھی مایوسی اور خودکشی کی ترغیب کا باعث بن سکتا ہے۔ معاشرے میں خوف، غیر یقینی اور بے اعتمادی پیدا ہوتی ہے۔ خودکشی ذہنی بیماریوں جیسے ڈپریشن، اضطراب، یا ذہنی دباؤ کی علامت ہوتی ہے اور ساتھ ہی خودکشی سے متاثر ہونے والے افراد (مثلاً خاندان، دوست) طویل عرصے تک صدمے، جرم کے احساس اور افسردگی کا شکار رہتے ہیں۔
3. بعض ممالک میں خودکشی کی کوشش کو جرم سمجھا جاتا ہے اور اس پر قانونی کارروائی بھی ہو سکتی ہے۔ خاندان پر بدنامی، طعن و تشنیع اور معاشرتی بائیکاٹ کا دباؤ پڑتا ہے۔

سفارشات

1. وقت کی ضرورت کو مد نظر رکھتے ہوئے گلگت کی حکومت سے گزارش ہے کہ خودکشی کے بڑھتے ہوئے رجحان کے اس معاملے کے منفی اثرات سے محفوظ کیا جاسکے۔اس معاملے کو حل کرنے کے لئے حکومت وقت اس سے متعلق کانفرنسیں اور سیمینار منعقد کروائے تاکہ معاشرے کو اس کے منفی اثرات سے محفوظ کیا جاسکے۔
2. گلگت کی حکومت کو چاہیے کہ صحت کو بہتر بنانے کے پروگرامز،منشیات کے استعمال پر روک تھام،خودکشی میں استعمال ہونے والی ادویات کی عام آدمی تک رسائی پر پابندی لگائی جائے۔
3. ملک و قوم کی ترقی کے مسائل سے نمٹنے اور مسائل کے حل کے لیے گلگت کی عوام اور خاص طور پر نوجوانوں میں شعور آگاہی بیدار کی جائے۔
4. گلگت کے اندر کام کرنے والے اسلامی جماعتیں اور تنظیموں کے قائدین اور مبلغین اپنی ذمہ داری نبھاتے ہوئے لوگوں کو اسلامی تعلیمات اور نظریات سے آگاہ کریں تاکہ انسان کی دنیا و آخرت برباد کرنے والی اس عظیم نحوست سے بچا جاسکے۔
5. گلگت کے اندر موجود اسکول،کالجز،مدارس اور یونیورسٹیز میں باقاعدہ خودکشی کی روک تھام کے حوالے سے پروگرامز کیے جائیں اور تعلیمی اداروں کے نصاب میں صبر و تحمل اور توکل کو فروغ دینے والی اسلامی تعلیمات کو شامل کیا جائے اور اس کے ساتھ ساتھ تعلیمی نصاب میں فنی مہارتوں پر مبنی تعلیم کو شامل کیا جائے تاکہ بچے تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد بے روزگاری کا شکار نہ ہو جائیں۔

فہارس

فہرست آیات

فہرست احادیث

فہرست آیات

نمبر شمار	قرآنی آیات	سورت/آیات	صفحہ نمبر
1.	وَ اَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَ لَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّہْلُکَۃِ وَ اَحْسِنُوْاۚ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ۔	البقرہ:195	36
2.	هُدًى لِلنَّاسِ	البقرہ:2	49
3.	وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَۙ الَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْہُمْ مُّصِیْبَۃٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ	البقرہ,155	52
4.	وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ ۚ وَإِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ	البقرہ:45	52
5.	هُوَ ٱلَّذِى بَعَثَ فِى ٱلْأُمِّيِّۦنَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا۟ عَلَيْهِمْ ءَايَٰتِهِۦ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ ٱلْكِتَٰبَ وَٱلْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا۟ مِن قَبْلُ لَفِى ضَلَٰلٍ مُّبِينٍ	البقرہ:62	70
6.	وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا	آل عمران:103	84
7.	وَإِذْ أَخَذَ ٱللَّهُ مِيثَٰقَ ٱلَّذِينَ أُوتُوا۟ ٱلْكِتَٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهُۥ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُونَهُۥ	آل عمران: 187	62
8.	وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى ٱلْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِٱلْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ ٱلْمُنكَرِ ۚ وَأُو۟لَٰٓئِكَ هُمُ ٱلْمُفْلِحُونَ	آل عمران؛104	63
9.	وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا	النساء:14	25
10.	یٰٓاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ وَ لَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِیْمًا	النساء:29	36
11.	اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى	المائدہ:120	93
12.	"اُدْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ ۖ وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ"	انعام:125	74
13.	وَاعْلَمُوا أَنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ يَتَنَانَ	الانفال:28	90
14.	فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ	توبہ:122	87
15.	وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَتَ اللَّهِ لا تُحْصُوهَا إِنَّ الْإِنْسَانَ لَظَلُومٌ كَفَّارًا	ابراہیم:14	35
16.	ٱدْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِٱلْحِكْمَةِ وَٱلْمَوْعِظَةِ ٱلْحَسَنَةِ	النحل:125	53

17.	وَ لَوْ يُؤَاخِذُ اللهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَّا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّ لٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّىۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّ لَا يَسْتَقْدِمُوْنَ	النحل:6	37
18.	"وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ"	الاسراء:33	81
19.	لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِۦٓ أَزْوَٰجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ ٱلْحَيَوٰةِ ٱلدُّنْيَا لِنَفْتِنَهُمْ فِيهِۚ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ	طٰہ:131	61
20.	وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنكًا"	طٰہ:124	60
21.	وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِٱلصَّلَوٰةِ وَٱصْطَبِرْ عَلَيْهَاۖ لَا نَسْـَٔلُكَ رِزْقًاۖ نَّحْنُ نَرْزُقُكَۗ وَٱلْعَٰقِبَةُ لِلتَّقْوَىٰ	طٰہ:132	56
22.	إن هذه أنتكم أنه واحدة وأنا رَبُّكُمْ إِنَّ هَٰذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُونِ	الانبیاء:92	85
23.	الَّذِينَ إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنكَرِ ۗ وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ	الحج:41	86
24.	ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْۚ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ	المؤمن:40	52
25.	إِنَّ ٱلَّذِينَ يُحِبُّونَ أَن تَشِيعَ ٱلْفَٰحِشَةُ فِى ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِى ٱلدُّنْيَا وَٱلْءَاخِرَةِۚ وَٱللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ	النور:24	58
26.	وَلَا تَتَّبِعِ ٱلْهَوَىٰ فَيُضِلَّكَ عَن سَبِيلِ ٱللَّهِۚ إِنَّ ٱلَّذِينَ يَضِلُّونَ عَن سَبِيلِ ٱللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌۢ	ص:26	59
27.	قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِن رَّحْمَةِ اللَّهِ	الزمر:53	82
28.	فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِن كُنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ	الزخرف:16	74
29.	أَفَرَءَيْتَ مَنِ ٱتَّخَذَ إِلَٰهَهُۥ هَوَىٰهُۚ وَأَضَلَّهُ ٱللَّهُ عَلَىٰ عِلْمٍ	لجاثیۃ:23	60
30.	يَرْفَعِ ٱللَّهُ ٱلَّذِينَ آمَنُوا۟ مِنكُمْ وَٱلَّذِينَ أُوتُوا۟ ٱلْعِلْمَ دَرَجَٰتٍ	المجادلہ:11	53
31.	مَا نَحَلَ وَالِدٌ وَلَدَهُ نِحْلَةً أَفْضَلَ مِنْ أَدَبٍ حَسَنٍ	الجمعہ:2	70
32.	فَأَمَّا مَن طَغَىٰ وَءَاثَرَ ٱلْحَيَوٰةَ ٱلدُّنْيَافَإِنَّ ٱلْجَحِيمَ هِىَ ٱلْمَأْوَىٰ	الصافات: 39/79	67
33.	وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللهِ فَهُوَ حَسْبُه	اطلاق:3	52

فہرست احادیث

نمبر شمار	احادیث	احادیث نمبر	صفحہ نمبر
1.	عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا عَبْدَ اللَّهِ، أَلَمْ أُخْبَرْ أَنَّكَ تَصُومُ النَّهَارَ وَتَقُومُ اللَّيْلَ؟ يَا عَبْدَ اللَّهِ، أَلَمْ أُخْبَرْ أَنَّكَ تَصُومُ النَّهَارَ وَتَقُومُ اللَّيْلَ؟ قَالَ: فَلَا تَفْعَلْ، صُمْ وَأَفْطِرْ، وَقُمْ وَنَمْ، فَإِنَّ لِجَسَدِكَ عَلَيْكَ حَقًّا، وَإِنَّ لِعَيْنَيْكَ عَلَيْكَ حَقًّا	صحیح بخاری:1159	38
2.	عَنْ ثَابِتِ بْنِ الضَّحَّاكِ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "مَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ بِشَيْءٍ فِي الدُّنْيَا، عُذِّبَ بِهِ يَوْمَ القِيَامَةِ	صحیح بخاری:5778	38
3.	فَأَمَّا مَن طَغَىٰ وَءَاثَرَ ٱلْحَيَوٰةَ ٱلدُّنْيَافَإِنَّ ٱلْجَحِيمَ هِىَ ٱلْمَأْوَىٰ	صحیح بخاری:100	65
4.	عَنْ ثَابِتِ بْنِ الضَّحَّاكِ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "مَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ بِشَيْءٍ فِي الدُّنْيَا، عُذِّبَ بِهِ يَوْمَ القِيَامَةِ	صحیح بخاری:1363	39
5.	عَنْ جُنْدُبٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: كَانَ فِيمَنْ قَبْلَكُمْ رَجُلٌ بِهِ جُرْحٌ، فَجَزِعَ، فَأَخَذَ سِكِّينًا، فَجَزَّ بِهَا يَدَهُ، فَمَا رَقَأَ الدَّمُ حَتَّى مَاتَ، فَقَالَ اللهُ: بَادَرَنِي عَبْدِي بِنَفْسِهِ، فَحَرَّمْتُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ	صحیح بخاری:4363	42
6.	عَنْ جُنْدُبٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: كَانَ فِيمَنْ قَبْلَكُمْ رَجُلٌ بِهِ جُرْحٌ، فَجَزِعَ، فَأَخَذَ سِكِّينًا، فَجَزَّ بِهَا يَدَهُ، فَمَا رَقَأَ الدَّمُ حَتَّى مَاتَ، فَقَالَ اللهُ: بَادَرَنِي عَبْدِي بِنَفْسِهِ، فَحَرَّمْتُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ	صحیح بخاری:3463	43
7.	حَدِّثُوا النَّاسَ بِمَا يَعْرِفُونَ أَتُحِبُّونَ أَن يُكَذَّبَ الله وَرَسُولُه	صحیح بخاری:127	76
8.	مَنْ يُرِدِ اللَّهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ	صحیح بخاری:71	55
9.	"يَا غُلَامُ إِنِّي أُعَلِّمُكَ كَلِمَاتٍ احْفَظِ اللَّهَ يَحْفَظْكَ	صحیح بخاری:893	58
10.	حَدِّثُوا النَّاسَ بِمَا يَعْرِفُونَ أَتُحِبُّونَ أَنْ يُكَذَّبَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ	صحیح بخاری:348	61
11.	مَثَلِي وَمَثَلُ مَا بَعَثَنِيَ اللَّهُ بِهِ كَمَثَلِ رَجُلٍ أَتَى قَوْمَهُ فَقَالَ: يَا قَوْمِ إِنِّي رَأَيْتُ الْجَيْشَ بِعَيْنَيَّ وَإِنِّي أَنَا النَّذِيرُ الْعُرْيَانُ فَالنَّجَاءَ النَّجَاءَ	صحیح بخاری:6446	62
12.	مَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ بِشَيْءٍ عُذِّبَ بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ	صحیح بخاری:5778	68

79	صحیح بخاری:442	المؤمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا	.13
81	صحیح بخاری:65	الَّذِي يَطْعَنُ نَفْسَهُ بِحَدِيدَةٍ فَحَدِيدَتُهُ فِي يَدِهِ يَجَأُ بِهَا فِي بَطْنِهِ فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدًا مُخَلَّدًا فِيهَا أَبَدًا	.14
85	صحیح بخاری :3461	فَأَمَّا مَن طَغَىٰ وَءَاثَرَ ٱلْحَيَوٰةَ ٱلدُّنْيَافَإِنَّ ٱلْجَحِيمَ هِىَ ٱلْمَأْوَىٰ	.15
86	صحیح بخاری:2446	المؤمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا	.16
89	صحیح بخاری:71	مَنْ يُرِدِ اللهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ	.17
96	صحیح بخاری:6731	ما من عبد يسترعيه الله زعية يموت يوم يموت وهو غاش لرعيته إلا حرم الله عليه الجنة	.18
40	صحیح مسلم:2285	عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ تَرَدَّى مِنْ جَبَلٍ فَقَتَلَ نَفْسَهُ، فَهُوَ فِي نَارِ جَهَنَّمَ، يَتَرَدَّى فِيهَا خَالِدًا مُخَلَّدًا أَبَدًا، وَمَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ بِحَدِيدَةٍ، فَحَدِيدَتُهُ فِي يَدِهِ، يَتَوَجَّأُ بِهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ، خَالِدًا مُخَلَّدًا فِيهَا أَبَدًا	.19
41	صحیح مسلم:112	عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ، قَالَ: شَهِدْنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ رَجُلٌ مِمَّنْ يُدْعَى الإِسْلاَمَ: هَذَا مِنْ أَهْلِ النَّارِ، فَلَمَّا حَضَرَ القِتَالُ، قَاتَلَ الرَّجُلُ قِتَالًا شَدِيدًا، فَأَصَابَتْهُ جِرَاحَةٌ، فَقِيلَ	.20
41	صحیح مسلم:113	عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْتَقَى هُوَ وَالْمُشْرِكُونَ فَاقْتَتَلُوا، فَلَمَّا مَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى عَسْكَرِهِ، وَمَالَ الْآخَرُونَ إِلَى عَسْكَرِهِمْ	.21
63	صحیح مسلم:1048	لا يَشبعُ ابن آدم من ذهب وفضَّةٍ وَلَوْ كَانَ لَهُ وَادِيَانِ لَابْتَغَى لَهُمَا ثَالثا	.22
54	سنن ترمذی:2516	احفظ الله يحفظك احفظ الله تجده تجاهك إذا سَأَلْتَ فَاسْأَلِ اللهَ وَإِذَا اسْتَعَلْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللهِ	.23
59	سنن ترمذی1952:	مَا نَحَلَ وَالِدٌ وَلَدَهُ حلةً أفضل مِنْ أَدَبٍ حسن	.24
87	سنن ترمذی:216	يد الله مَعَ الجَمَاعَةِ	.25
64	ابن ماجہ:4105	من كانت الدُّنْيَا هَمَّهُ فَرَّقَ الله	.26

56	امام مالک:1594	تَرَكْتُ فِيكُمْ أَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا: كِتَابَ اللَّهِ وَسُنَّةَ نَبِيِّهِ	27.
60	امام مالک:1625	إِنَّمَا بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْأَخْلَاقِ	28.

مصادر و مراجع

- القرآن
- احادیث
- امین احسن اصلاحی، **تدبر قرآن: مقدمہ** (لاہور: دار التدبر، 2004ء)، ص25
- امام رازی، فخر الدین، **التفسیر الکبیر**، مکتبہ فیصل دیو بند،، جلد: 1، صفحہ: 57
- الجامع الصغیر، امام ترمذی، **کتاب صفۃ القیامۃ**، باب ماجاء فی حفظ اللہ، رقم 2516، ج
- الجامع الصغیر، امام ترمذی، **کتاب صفۃ القیامۃ**، باب ماجاء فی حفظ اللہ، رقم 2516، ج4، ص116
- ابو بکر قدوسی، **قتل اور خودکشی جہنم کے راستے**، مکتبہ قدوسیہ اردو بازار لاہور، 2016
- ابن کثیر، محمد ابن کثیر، **تفسیر قرآن العظیم**، اسلامی کتب خانہ لاہور، جلد 1، صفحہ: 481
- الترمذی، محمد ابن عیسیٰ، **سنن ترمذی**، مکتبہ رحمانی، 2012، جلد: 2، صفحہ: 468
- البُروسوی، اسماعیل حقی، **روح البیان**، مکتبہ دار الفکر بیروت، جلد: ۳، صفحہ: 225
- بغوی، حسین ابن مسعود، **معالم التنزیل**، دار ابن حزم، جلد: 1، صفحہ: 418
- ڈاکٹر اسرار احمد، **اسلامی نظام حیات اور موجودہ دنیا**، (لاہور: تنظیم اسلامی پبلیکیشنز، 2001ء)، ص67
- ڈیورینڈ، '**سرحدوں کی تلاش**'، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، 1991ء، ص: 210
- راشد نسیم، **خودکشی اور دور جدید**، ادارہ معارف اسلامی کراچی
- رفیق غازی سیالکوٹ، **خودکشی**، اردو اکیڈمی لاہور، صفحہ 204
- زبیر توروالی، **رازول کوہستانی، شمالی پاکستان کے آثارِ قدیمہ**، 2008، :130
- سیّد فیّض محمود، **علاقائی ادبیات مغربی پاکستان**، (جلد دوم)، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، ص: 12
- سید ابو الاعلیٰ مودودی، اسلام کا نظام حیات، (لاہور: ترجمان القرآن، 2008ء)، ص114
- سنن ابن ماجہ، **کتاب الزہد**، باب الھم فی الدنیا، رقم 4105، ج2، ص1395
- شبلی نعمانی، **مقالاتِ شبلی**، (لاہور: مجلسِ ترقیِ ادب، 2011ء)، ص243

- شبیر احمد عثمانی، **اسلام اور ریاست**، (لاہور: ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، 1981ء)، ص74
- شیخ احمد بن حجر، **قتل اور خود کشی**: جہنم کے راستے (لاہور: مکتبہ قدوسیہ)، ص 2–3
- عثمان علی۔ '**خطۂ قراقرم: زبانیں اور معاشرہ**'، مقبول اکیڈمی، لاہور، 1996ء، ص:18
- غزالی، **احیاء العلوم**، بیروت: دار الکتب العربیہ، ج1، ص125
- کرنل الجیرنن ڈیورینڈ، '**سرحدوں کی تلاش**'، مترجم: لیفٹیننٹ کرنل (ر) غلام جیلانی خان، دوست پبلیکیشنز، اسلام آباد، 2009ء، ص: 209۔210
- فدا علی ایثار۔ '**شمالی علاقہ جات میں اسماعیلی دعوت: ایک تاریخی جائزہ**'، اطرب، کراچی، 1991ء، ص:17
- کاچو سکندر خان سکندر۔ '**قدیم لداخ: تاریخ و تمدّن**'، کاچو پبلشرز، لیہ، لداخ، 1987ء
- محمد رضوان الرحمن، **دور حاضر کے اجتماعی مسائل اور علماء کی ذمہ داریاں**، (لاہور: مرکزِ اسلامی تحقیقات، 2020ء)، ص102
- محمد اسحاق بھٹی، **علماء اہل حدیث کی دینی خدمات**، (لاہور: مکتبہ قدوسیہ، 2012ء)، ص98
- مسلم شریف، مسلم بن حجاج، **صحیح المسلم**، مکتبہ رحمانیہ، 2012، جلد: 1، صفحہ: 106
- محمد اقبال کیلانی، **اسلام میں میڈیا کا کردار**، (لاہور: مکتبہ اسلامیہ، 2006ء)، ص84
- محمد عطاء المنعم، **عطاء الباری**، مکتبہ تالیفات اشرفیہ ملتان، جلد: 2 صفحہ: 103، 102
- صحیح ابن حبان، الرقم: 5989، **خلاصۃ حکم المحدث، اخرجہ فی صحیحہ**
- مسلم، **کتاب الزھد**، باب القناعۃ وذم السوال، رقم 1048، ج4، ص2278
- محمد طاہر القادری، اسلام اور روحانی امراض کا علاج (لاہور: منہاج پبلیکیشنز، 2011)، ص78
- محمّد ذاکر۔ '**سیاچن گلیشیئر**'، اسکردو، **بلتستان**، 1991ء، ص29؛ جون بڈلف۔ '**ہندوکش کے قبائل**'، ترجمہ: جاوید شاہین، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، 1991ء ص ص 67۔75
- نادرہ زیدی۔ ''بلتی ادب''، '**تاریخ ادبیاتِ مسلمانانِ پاکستان و ہند**'، جلد: 14، ص:116
- وحید الدین خان، **اسلام ایک تعارف**، ص175

A- H- Francke**- A History of Ladakh ‹Book Traders** ‹Lahore ‹1995 ‹pp38 -27

Ahmad Hasan Dani- **History of Northern Areas of Pakistan ‹Sang- e- Meel**‹ Publications ‹ Lahore ‹2007

Bolor and Dardistan ‹Islam Abad ‹1980 ‹p5 -

Iqbal M- Shafi- **Silk Road to Snkiang** ‹Lahore ‹1988

Meel -Sang ‹ History of Northern Areas of Pakistan- Dani- H-A reprinted 2007 ‹Lahore‹Publications

Karl Jettmar- **Bolor and Dardistan ‹Islam** Abad ‹1980

G. T. Vigne. **Travels in Kashmir, Ladakh, Iskardo**, vol. 2, London, 1872. First published 845, pp. 222 in
Psycho-Logics**" by E.S.SHNEIDMAN, Thomas Publishers**, Springfield; 111, 1960.
"Problems of Suicide" by E. Bergler, Psychiatric (Qtrly); 20, USA, 1946.
"Suicide" by J.Choron, Ch.Scribner & Sons, New York; 1972
"Man against himself" by K. Menninger, Harcourt, Brace & Co.New York,
"Barbiturates, Automatization & Suicide" by R.H.Long, Insurance Council
Journal U.S.A., 1959.
"The Myth of Sisphus" by A.Camus (Trans) Hanmish Hamilton, London, 1945.
"Suicide by means of Victim Precipitated Homicide"by M.E.Wolfgang, **Journal of**
"**An evolution of Suicidal -Clinical & Experimental Psychopathology**(20),1959 USA
Intent in Suicide attempt" by T.L.Dorpet & J.Boswell, Comprehensive Psychiatry (4) 1963, USA
"Suicide-A Social & Historical Study" by H.R.Fedden, Peter Davies; London 1938